ABC
Certified
مسلسل اشاعت کا 52واں سال
اسلام آباد
ضیائے حرم
ماہنامہ
جولائی 2022ء

مسلسل اشاعت کا 52واں سال

نغمہ کجا و من کجا سازِ سخن بہانہ ایست — سوئے قطار می کشم ناقۂ بے زمام را

مؤسس: ضیاء الامت حضرت جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ

فکر غیور اور عشق غیور کا نقیب کثیر الاشاعت مجلہ

ماہنامہ ضیائے حرم

ABC سے تصدیق شدہ اشاعت

جلد 52 شمارہ 10 ذوالحج ۱۴۴۳ھ جولائی ۲۰۲۲ء

فہرست مضامین

رابطہ

اسلام آباد آفس: (ادارتی امور) خیابان کرم، کری روڈ، چک شہزاد، اسلام آباد
E-mail:ziaeharam@gmail.com

انگلینڈ آفس:
Jamil Akram
Zia-ul-Ummah Foundation
8 Allison Avenue Retford DN22 7JR England,UK
Phone: 0044 (0) 7958 950490
E-mail: j.akram@ziaulummah.org

سرکولیشن آفس: دفتر ماہنامہ ضیائے حرم بھیرہ ضلع سرگودھا۔

اکاؤنٹ نمبر: IBAN-PK 80 UNIL 0112 0226 01046535
ٹائٹل آف اکاؤنٹ: Zia e Haram
UBL Bhera, Distt Sargodha

اپنے نام جاری کروانے اور سابقہ چندہ ختم ہونے کی صورت میں دیے گئے اکاؤنٹ میں رقم بھیج کر موبائل نمبر 0301-6940813 پر رابطہ کریں یا بذریعہ خط سرکولیشن آفس کو مطلع کریں۔

قیمت فی شمارہ ۶۵ روپے

زرِ تعاون سالانہ: عام ڈاک ۸۰۷ روپے ۔ رجسٹرڈ ڈاک ۹۰۰ روپے ۔ بذریعہ وی پی ۹۰ روپے اضافی ڈاک خرچ

بدلِ اشتراک: امریکا، کینیڈا، نیوزی لینڈ، آسٹریلیا، افریقہ وغیرہ ۶۰ ڈالر سالانہ۔
برطانیہ ۳۵ پونڈ سالانہ دیگر یورپی ممالک ۴۰ یورو سالانہ، شرق اوسط و دیگر ایشیائی ممالک ۴۵ ڈالر سالانہ

پیر محمد امین الحسنات شاہ نے انٹر گرافک پرنٹرز سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ ضیائے حرم، خیابان کرم، چک شہزاد، اسلام آباد سے شائع کیا۔

نعتِ رسولِ مقبول ﷺ

نعت تب ہوتی ہے جب دل پہ ہو تنزیل کوئی — نطق کو اذنِ نبی سے ملے ترتیل کوئی

وہ احد ہے کہ تجھے جس نے دیا خلقِ عظیم — لائے کیسے مرے آقا تری تمثیل کوئی

احمد و حامد و محمود و محمد میں ہے — رفعتِ میم کی ممکن نہیں تفصیل کوئی

ہر صحیفے میں ہوا ذکرِ محمد روشن — ہر شبِ تار کو بخشی گئی قندیل کوئی

جو گئی رات عطا مجھ کو ہوا اذنِ حرم — کردے اس خواب کی تعبیر میں تعجیل کوئی

نام سرکار کا جب بر سرِ دیواں لکھا — حکمِ نادیدہ کی جیسے ہوئی تعمیل کوئی

مصرفِ نعت میں منظرؔ کو ہمیشہ رکھنا
اس پہ ہوتی رہے انعام کی ترسیل کوئی

..............................☆☆☆☆☆..............................

سخن کو نعت کے لمعات سے روشن کئے رکھا — شہِ ابرار کے نغمات سے روشن کئے رکھا

سرِ فہرست لکھا والضحیٰ والشمس نُور اللہ — اور اپنا نطق ان آیات سے روشن کئے رکھا

کیا ہر بات کا آغاز ان کے نامِ عالی سے — اور اپنی بات کو اس بات سے روشن کئے رکھا

وہ سب لمحے جو شہرِ نور کی یادوں میں گزرے ہیں — ثنا کو ان حسیں ساعات سے روشن کئے رکھا

ضیائے نعت گوئی جو رضا کے در سے پائی ہے — سخن کو اپنے اس خیرات سے روشن کئے رکھا

ترے لمسِ قدم سے پائی جن ذروں نے تابانی — فلک نے خود کو ان ذرات سے روشن کیے رکھا

ہمیں امید ہے منظرؔ لحد میں روشنی ہو گی
کہ دل کو الفتِ سادات سے روشن کیے رکھا

جہانداد منظرؔ القادری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سرِ دلبراں

پاکستانی معیشت پنجہ یہود میں کراہ رہی ہے

یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ بیوروکریسی خاکی ہو یا سول، وہ مضبوط تر ہے اور پارلیمنٹ کی نمائندگی کرنے والے سیاستدان خواہ ان کا تعلق کسی بھی جماعت سے ہو حد درجہ کمزور ہیں۔ ان کی کمزوری کی بنیادی وجہ ریاستی اداروں کے ہاتھوں ایک دوسرے کے خلاف استعمال ہونا اور وقتی مفادات کو ترجیح دینا ہے اور ستم بالائے ستم یہ ہے کہ اس کھیل کے تانے بانے ملکی سرحدوں سے متجاوز ہو کر بین الاقوامی کھلاڑیوں تک جا پہنچے ہیں۔ آج جو بیانیہ سابق وزیراعظم پاکستان جناب عمران خان کی طرف سے تسلسل کے ساتھ جاری ہے، کاش اس کا احساس انہیں جنرل پرویز مشرف کے دور اقتدار اور بعد ازاں میاں محمد نواز شریف کے خلاف چلائی جانے والے اس مہم کے دوران بھی ہوتا جس کے ذریعے پاکستان کی معیشت کو ہچکولوں سے دوچار کرنے کے لیے سی پیک جیسے منصوبوں کو فیل کرنا مقصود تھا۔ سیاسی حکومتوں کی موجودہ ناکامی کے ذریعے پاکستان کی معیشت کو کئی دہائیوں سے عدم تسلسل جیسے المیے سے دوچار کیا جا رہا ہے۔ جس کا آج نتیجہ یہ ہے کہ ہماری معیشت ایک ایسے اندھے کنویں میں گر چکی ہے کہ جس سے نکلنا تو در کنار سانس کا سلسلہ بھی برقرار رکھنا دشوار محسوس ہو رہا ہے۔

باخبر حلقوں کے مطابق عمران حکومت کا خاتمہ اور اتحادی جماعتوں کا قربانی کا بکرا بننا محض فطری سیاسی عمل نہیں بلکہ اس کے پس منظر میں اس چشم بینا کی کرشمہ سازی ہے جو دیکھ رہی تھی کہ اناڑی کھلاڑیوں نے ملکی معیشت کا دھڑن تختہ کر دیا ہے اور اگر مزید وقت ضائع کیا گیا تو ایک طرف FATF کے تقاضے بڑھتے جائیں گے اور دوسری طرف آئی ایم ایف کے معاہدوں میں جمود ملک کو سری لنکا بنا دے گا۔ سیاستدان بہرحال کمزور ہیں اور ہر تلخ حکم کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہیں۔ فرمانبرداری کی ایسی ہی اداؤں نے اب مسلم لیگ (ن) جیسی مقبول ترین جماعت کو اگلے انتخابات کے لیے سوالیہ نشان بنا دیا ہے۔ اس گھمبیر صورت حال میں پیش کیا گیا بجٹ آج کل زیر بحث ہے۔ نہ سیاست کی کوئی کل سیدھی ہے اور نہ معیشت کا پہیہ زیر گردش ہے۔ ایسے ماحول میں کوئی بھی تجزیہ ناقابل فہم ہے۔ بہرحال ہماری مجبوری ہے کہ بجٹ کا مہینہ ہے اور ہم نے لکھنا ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ وزیر خزانہ مفتاح اسماعیل نے اپنی بجٹ تقریر میں گذشتہ سال کی اقتصادی جائزہ رپورٹ میں واضح کہا ہے کہ:

☆ بیروزگاری، مہنگائی اور بیرونی قرضوں کے بوجھ میں اضافہ ہوا۔

☆ خام قومی پیداوار، زراعت، خدمات اور صنعتی شعبوں کے اہداف حاصل کر لیے گئے۔

☆ تجارتی خسارہ ۴۵ ارب ڈالر رہا۔

☆ سرکاری قرضے ۴۴۳۶۶/ ارب رہے اور گردشی قرضے ۲۴۷۰ ارب رہے۔

☆ زرمبادلہ کے ذخائر دس ارب ڈالر سے نیچے آ گئے۔

☆ اوسط فی کس آمدنی ۱۷۹۸ ڈالر رہی۔

☆ مالیاتی خسارہ ۲۵۶۵ ارب روپے اور کرنٹ اکاؤنٹ خسارہ ۱۳ اعشاریہ ۸ ارب ڈالر رہا۔

☆ معاشی ترقی کی شرح ۵ اعشاریہ ۹۷ فیصد رہی۔

☆ درآمدات میں ریکارڈ اضافہ ۴۸ فیصد اور برآمدات میں اضافہ ۲۸ فیصد رہا۔

☆ ۶۰ فیصد درآمدات کا انحصار بیرونی قرضوں پر کرنا پڑا۔ یہی وجہ ہے کہ پچھلے دور میں قرض میں اضافہ ۷۶ فیصد رہا

☆ براہ راست سرمایہ کاری ۲۰۱۷/۱۸ء کے مقابلہ میں ۱۲ ارب ڈالر سے کم ہو کر ایک ارب ڈالر تک آ گئی۔

اقتصادی جائزہ رپورٹ پیش کرنے کے بعد انہوں نے سال ۲۰۲۲/۲۳ء کے لیے بجٹ کی تفصیلات پیش کیں۔ ان کی تقریر کے مطابق بجٹ کا حجم ۹۵۰۲ ارب روپے ہے۔ یہ خسارے کا بجٹ قرار دیا گیا اور بجٹ خسارہ ۴۵۹۸ ارب روپے تجویز کیا گیا۔ اس خسارہ کو پورا کرنے کے لیے ٹیکس وصولی کا تخمینہ ۷۰۰۴ ارب لگایا گیا ہے۔ باقی رقوم قرضوں اور دیگر ذرائع سے حاصل کی جائیں گی۔ سرکاری ملازمین کی تنخواہوں میں پندرہ فیصد اضافے کا اعلان کیا گیا اور ریٹائرڈ ملازمین کی پنشن میں پانچ فیصد اضافہ کیا گیا۔ کاروباری طبقہ کے لیے ٹیکس چھوٹ کی حد چھ لاکھ قرار دی گئی۔ زرعی آلات، بیجوں اور سولر پینلز پر ٹیکس ختم کر دیا گیا۔ تیس فیصد دواؤں کے خام مال پر کسٹم ڈیوٹی صفر کر دی گئی۔

بڑے مکانوں اور بینکوں پر ٹیکس کی شرح میں اضافہ کیا گیا جبکہ مہنگائی کی شرح کو گیارہ فیصد سے کم کرنے کا اعلان کیا گیا ہے۔ بڑی گاڑیاں اور موبائل فون مہنگے جبکہ سرکاری اخراجات واضح انداز میں کم کرنے کا اعلان کیا گیا۔ بجٹ میں مزید اعداد و شمار کی تفصیلات موجود ہیں۔ لیکن ہم ان سطور میں مندرجہ بالا اشارات پر انحصار کرتے ہوئے اور جناب وزیر خزانہ کا یہ قول درج کرتے ہیں کہ ہم نے انتہائی مشکل حالات میں غریب اور عوام دوست بجٹ دیا ہے۔

یہ بجٹ غریب دوست ہے یا نہیں اور اس کے اثرات کس انداز میں مرتب ہوں گے، آنے والے دنوں میں سب کچھ واضح ہو جائے گا۔ اصل مسئلہ بجٹ کے اعداد و شمار کا نہیں بلکہ پاکستان کی حقیقی معاشی صورت حال ہے۔

معاشی ماہرین کے تجزیہ کے مطابق ہماری اصل صورت حال یہ ہے کہ پی ٹی آئی کی حکومت نے اپنے آخری دنوں میں عوام میں مقبولیت حاصل کرنے کے لیے کچھ ایسے عاقبت نااندیش فیصلے کیے جن کے نتائج عوام نے بہر حال بھگتنے ہیں۔ عالمی منڈی میں تیل کی قیمتوں میں اضافے کے باوجود دس روپے فی لیٹر کمی کی گئی۔ بجلی کی قیمت میں پانچ روپے فی یونٹ کمی کی گئی۔ آئی ایم ایف سے معاہدے کے تحت چار روپے ماہانہ ڈویلپمنٹ اور پٹرولیم مصنوعات کی امپورٹ پر سیلز

ٹیکس کو ختم کر دیا گیا۔ عمران خان کی حکومت نے ۲۰۱۹ء میں آئی ایم ایف کے ساتھ یہ معاہدہ بھی کیا تھا کہ دسمبر ۲۰۲۱ء تک پٹرول کی قیمت میں تیس روپے فی لیٹر اضافہ کیا جائے گا۔ پٹرولیم مصنوعات پر ٹیکس ۱۹ فیصد کر دیا جائے گا۔ لیکن حکومت نے یہ وعدے پورے نہیں کیے جس کے نتیجے میں اسے ۵۰۰ ارب سے زائد کی سبسڈی دینا پڑی۔ ان اقدامات کے باعث کرنٹ اکاؤنٹ اور تجارتی خسارہ بڑھتا گیا اور آئی ایم ایف نے پاکستان کے ساتھ اپنا پروگرام معطل کر دیا۔ اب اسے دوبارہ بحال کرنا پاکستان کو دیوالیہ ہونے سے بچانے کے لیے ضروری ہو گیا تھا۔ جس کے سبب تیل، ڈیزل، گیس اور بجلی کی مدات میں لگاتار اضافہ ہو رہا ہے اور عوام کی چیخیں نکل رہی ہیں۔ اگر مشکل معاشی فیصلے بروقت کر لیے جاتے تو یہ مناسب عمل شمار ہوتا اور وقت کے گزرنے کے بعد یہی مسائل گلے کا طوق نہ بن جاتے ہیں۔

بجٹ ایسا گورکھ دھندہ ہے جس کے دھاگے الگ کرنا کسی کے بس کی بات ہی نہیں۔ معاشیات کے رموز سے واقف احباب بجٹ آنے کے بعد یہ کہہ رہے ہیں کہ بجٹ میں یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ آئندہ سال مہنگائی کی شرح میں گیارہ فیصد کمی آئے گی۔ یہ دعویٰ خلاف حقیقت ہے اور یہ بھی کہا گیا کہ افراط زر کی شرح میں کمی کی جائے گی، یہ بھی محض وہم ہے۔ نہ صرف موجودہ حکومت کا ایک سال بلکہ آئندہ آنے والی حکومت کا دورانیہ بھی معاشی چیلنج کا دور ہو گا جن سے نبٹنا انتہائی دانش مندی اور حکمت بھری پالیسیوں سے ہی ممکن ہو گا۔ جتنا بگاڑ اس وقت پیدا ہو چکا ہے اسے سنوارنے کے لیے از حد محنت کی ضرورت ہے جبکہ ہمارے عمومی رویے ایسے نہیں ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ عوام کو آخر ریلیف دینے کے لیے کچھ تو کرنا ہو گا۔ انہیں حالات کے رحم و کرم پر تو نہیں چھوڑا جا سکتا۔ اس کا جواب صرف اور صرف یہ ہے کہ حکومت دوست ممالک سے رابطے بڑھا کر بیرونی امداد زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے کی کوشش کرے جس کے ذریعے عوام کو تیل، گیس اور دیگر اشیائے ضرورت پر مراعات دے۔ تب ہی ریلیف کا کوئی تصور اجاگر ہو سکتا ہے۔

بعض حلقوں کی جانب سے یہ آوازیں بھی سنائی دے رہی ہیں کہ روس سے تیل اور اشیائے خوردنی منگوا کر آئی ایم ایف سے چھٹکارا حاصل کیا جا سکتا ہے۔ معاشی میدان کے مسافر ایسی تجاویز سے اتفاق کے لیے تیار نہیں ہیں۔ روس سے چین اور بھارت تیل درآمد کرتے ہیں۔ ان کے لیے یہ سہولت ہے کہ ان کا فاصلہ کم ہے اور ٹرانسپورٹ کے اخراجات انہیں زیادہ برداشت نہیں کرنا پڑتے۔ دوسری سہولت انہیں یہ حاصل ہے کہ تیل کو صاف کرنے کے لیے ان کے پاس ریفائنریاں ہیں۔ پاکستان کے پاس نہ تو روسی تیل صاف کرنے کا انتظام ہے اور نہ ہی ہمارا ملک اس پوزیشن میں ہے کہ روس کے تیل والے علاقے سے لے کر کراچی تک کے اخراجات برداشت کر سکے۔ ہمارے پاس سر دست سابقہ آپشنز ہی موجود ہیں جن سے بہتری کے پہلو تلاش کر کے ہم اپنے حالات درست کر سکتے ہیں۔

فوجی اخراجات میں کمی، وزراء کے پٹرول کے کوٹہ میں کمی، اشیائے تعیش کی درآمد پر پابندی، ایسے اقدامات پر اگر نگرانی کڑی رکھی جائے تو کسی حد تک بہتری کے آثار پیدا ہو سکتے ہیں۔ موجودہ اتحادی حکومت سے توقع کرتے ہیں کہ

وہ اتحادیوں کو راضی کرنے کے لیے شہ خرچیوں سے پرہیز کی کوشش کرے گی اور بالخصوص بڑے صوبے پنجاب کے اندر جو چیلنجز ہیں ان سے نبٹنے کے لیے غیر دانش مندانہ اقدامات سے گریز کر کے حالات کو درست سمت دینے کی کوشش کرے گی۔ اللہ کریم ہمارے ملک کی حفاظت فرمائے۔

عرس مبارک ضیاء الامت حضرت جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ
۱۸، ۱۹، ۲۰ محرم الحرام ۱۴۴۴ھ

دورِ قحط الرجال میں بندۂ مومن کا وجود ایسے ابرِ باراں کی طرح ہے جس کے برسنے کے بعد درخت، پودے، کھیت اور پورا ماحول ہریالی کی کیفیت سے سرشار نظر آتا ہے۔ اس کا وجود ایسے آفتاب عالم تاب کا عکاس ہوتا ہے جس سے چاند، تارے روشنی پاتے ہیں اور عام مخلوق اپنی زندگیوں میں تابانی محسوس کرتی ہے۔ اس کی مثال اس لالۂ صحرائی کی سی ہوتی ہے جو ویرانیوں میں دلسوزی، سرمستی اور رعنائی کی کیفیات بکھیرتا ہے۔

میرے ممدوح مکرم ضیاء الامت حضرت جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ کو امت مسلمہ کے مشکل ترین دور میں ایسی ہی خصوصیات سے آراستہ کر کے اللہ جل شانہ نے سودارض بھیرہ میں پیدا فرمایا۔ اسلامی سلطنتیں اکھاڑ پچھاڑ کا شکار تھیں، ہندوستان کی اسلامی سلطنت پر سرخ و سفید سامراج قابض ہو چکا تھا۔ مسلمانوں کی علمی درسگاہیں ویران کی جارہی تھیں۔ اسلامی اقدار کو پامال کیا جارہا تھا اور بالخصوص روحانی اور علمی حوالوں سے مسلمانوں کی حالت زار قابل رحم تھی۔

ایسے ماحول میں حضرت ضیاء الامت رحمۃ اللہ علیہ نے علمی وروحانی تربیت حاصل کرنے کے بعد علم وحکمت اور معرفت وللّٰہیت کے ایسے چراغ روشن کیے جن کی لو سے آج پورا عالم اسلام روشنی حاصل کر رہا ہے۔ آپ کی ذات فی الحقیقت زندگی کے جملہ شعبہ جات میں ایک مینارہ نور تھی جس سے آج لاکھوں افراد فیض یاب ہو رہے ہیں۔

زندگی کے ۸۲ سال گزارنے کے بعد آپ ۱۰ ذی الحجہ ۱۴۱۸ھ بمطابق ۷ /اپریل ۱۹۹۸ء اس دنیا سے پردہ فرما گئے۔ جوں جوں وقت گزرتا جارہا ہے۔ آپ کی شب خیزیوں کا صدقہ آپ کے فیضان میں اضافہ جاری ہے۔

میرے نقطۂ نظر سے اس سال کے عرس مبارک کا مرکزی نقطہ آپ کی تعلیمی خدمات کا صلہ الکرم انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ ہونا چاہیے۔ آپ کے سجادہ نشین حضرت قبلہ پیر محمد امین الحسنات شاہ مدظلہ العالی نے انتہائی محنت اور اخلاص کے ساتھ آپ کے کام کو آگے بڑھاتے ہوئے جامعہ کی صورت میں ایک نیا قدم اٹھایا ہے۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کو صحت وعافیت کے ساتھ یہ کام آگے بڑھانے کی توفیق عطا فرمائے۔ بلندیوں کی طرف سفر اپنے ضمن میں بے شمار مشکلات اور رکاوٹیں بھی لاتا ہے۔ اہل عزم وہمت اس کی پروانہ کرتے ہوئے آگے بڑھتے جاتے ہیں۔ لوگ راستہ میں کانٹے بھی بکھیرتے ہیں۔ وہ کانٹوں سے الجھنے کے بجائے تھوڑی سی

سمت بدل کر اپنا سفر جاری رکھتے ہیں۔

میں نے پچھلے ماہ بھی اشارہ دیا تھا اور اب بھی گزارش کر رہا ہوں کہ جامعہ کا سفر کسی فرد واحد کا سفر نہیں بلکہ یہ پوری ٹیم کے لیے بہت بڑا چیلنج ہے۔ جب اہل وفا اس راستہ پر گامزن ہو جائیں گے تو پھر کامیابیاں ان کا استقبال کریں گی۔ دارالعلوم محمدیہ غوثیہ سے الحاق کرنے والے تمام اداروں اور خانقاہ عالیہ حضرت امیر السالکین رحمۃ اللہ علیہ کے جملہ متوسلین کا فرض بنتا ہے کہ وہ حضرت قبلہ پیر صاحب مدظلہ العالی کے کندھا سے کندھا ملا کر آپ کا ساتھ دیں۔ اپنی اخلاقی امداد سے انہیں حوصلہ دیں اور خصوصاً اپنے رزق حلال سے اس علمی تحریک کو آگے بڑھانے کے لیے مکمل تعاون کریں۔ جامعہ کا بنیادی ڈھانچہ استوار ہو چکا ہے اور ان شاء اللہ تعالیٰ ماہ ستمبر ۲۰۲۲ء میں کلاسز کا آغاز ہو جائے گا۔

ان شاء اللہ تعالیٰ اس عظیم ترین اقدام کی تفصیلات ماہ اگست میں عرس پاک کے موقعہ پر تمام متعلقین کی خدمت میں پیش کر دی جائیں گی۔ عرس پاک کی محافل حسب معمول ۱۸ محرم الحرام سے ۲۰ محرم الحرام نماز ظہر تک جاری رہیں گی۔ ضیاء الامت فاؤنڈیشن، الکرم فرینڈز اور آستانہ عالیہ سے وابستہ دیگر تمام تنظیموں سے گزارش ہے کہ وہ حالات کے مطابق اپنی تیاری شروع کر دیں۔ اللہ کریم ہم سب کا حامی وناصر ہو۔ آمین ثم آمین

مولانا محمد حنیف چشتی رحمۃ اللہ علیہ کا سانحۂ رحلت

علامہ محمد حنیف چشتی ۱۸ فروری ۱۹۶۳ء کو بمقام بچیانہ ضلع فیصل آباد تحصیل جڑانوالہ میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۷۹ء میں میٹرک پاس کرنے کے بعد کچھ عرصہ جامعہ غوثیہ رضویہ مصباح العلوم جڑانوالہ میں علامہ احمد علی نقشبندی کے پاس پڑھتے رہے اور پھر اگست ۱۹۸۰ء میں حضرت صاحبزادہ پروفیسر محبوب حسین چشتی سجادہ نشین آستانہ عالیہ بیربل شریف کی وساطت سے دنیائے اسلام کے عظیم علمی مرکز دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف میں داخل ہوئے۔ یہاں درس نظامی کے ساتھ عصری علوم بھی حاصل کیے۔ اپریل ۱۹۸۸ء میں دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ سے الشہادۃ العالیہ حاصل کر کے فراغت پائی۔ بعدازاں علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی سے بی ایڈ کیا۔ پھر بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی سے باقاعدہ ایم اے اسلامیات کی ڈگری حاصل کی۔ دوران تعلیم ہی حضرت ضیاء الامت جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ کے دست حق پرست پر بیعت کا شرف حاصل کیا۔ کچھ عرصہ الحاج خالد محمود قادری آستانہ عالیہ اوکاڑہ کی صحبت میں بھی رہے۔

موصوف بہت صالح انسان تھے۔ حضرت ضیاء الامت رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ آپ کو والہانہ پیار تھا۔ آپ کی ایک بیٹی بھی غوثیہ گرلز کالج بھیرہ شریف کی فاضلہ ہے۔ مولانا محمد حنیف آرمی میں خطیب تھے۔ ان کی خوبی یہ تھی کہ متوازن فکر کے حامل ہونے کی وجہ سے آرمی افسران کو کبھی آپ سے شکوہ نہیں ہوا۔ آپ چار کتابوں کے مصنف تھے۔ پچھلے سال ان کی تحریری کاوش کی وجہ سے دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف کی طرف سے انہیں الحسنات ایوارڈ بھی پیش کیا گیا۔

آج کل جہلم چھاؤنی میں تعینات تھے۔ عارضہ قلب لاحق ہونے کی وجہ سے ۵ جون ۲۰۲۲ء کو اللہ کو پیارے ہو

گئے۔فوجی اعزاز کے ساتھ آپ کی تدفین آپ کے گاؤں بچیانہ میں کی گئی۔دعا ہے کہ اللہ کریم مولانا کے درجات بلند فرمائے اوران کی خدمات دینیہ کوشرف قبولیت بخش کر ذریعہ نجات بنائے۔ادارہ ضیائے حرم مولانا کے لواحقین اوران کی اولاد کے ساتھ تعزیت کرتا ہے اوران کی ترقی درجات کے لیے دعا گو ہے۔

آستانہ عالیہ حضرت امیر سالکین کے مرید خاص حافظ محمد شفیعؒ انتقال فرما گئے۔

اِنّا للّٰہ و انا الیہ راجعون

راقم الحروف حافظ احمد بخش اور مولانا حافظ محمد ریاض مدرس دارالعلوم محمدیہ غوثیہ چک شہزاد کے بڑے بھائی حافظ محمد شفیع ۹ جون بروز جمعرات اس دنیا سے پردہ فرما گئے۔ ہمارے والد گرامی الحاج غلام رسول رحمۃ اللہ علیہ نے ہم دو بھائیوں کو آستانہ عالیہ حضرت امیر السالکین رحمۃ اللہ علیہ کے لیے وقف فرمایا۔ ہمارے بڑے بھائی نے اس فیصلہ کوقبول فرماتے ہوئے زمین داری کی ساری ذمہ داریاں قبول فرمائیں اور گھر کا نظام چلانے میں والد گرامی کا ساتھ نبھایا۔

مرحوم کی آنکھ میں چھوٹی عمر میں کوئی چیز لگی جس کے سبب اعلیٰ تعلیم کا حصول ممکن نہ رہا۔قرآن کریم کے جید حافظ تھے۔اکثر اوقات تلاوت کلام مقدس میں صرف ہوتے۔اپنے والد گرامی کے مسند نشین تھے۔علاقہ بھر کے لوگ متنوع بیماریوں کا عذر لے کر حاضر ہوتے۔مرحوم دم فرماتے،تعویذ دیتے۔اللہ تعالیٰ انہیں صحت عطا فرماتا۔ہم دونوں بھائی ان کی موجودگی کی وجہ سے سکون کے ساتھ دینی تعلیم کی ترویج واشاعت میں مشغول تھے۔ان کا سایہ اٹھ جانے کی وجہ سے اب اضطراب درپیش ہے۔

مرحوم آستان پاک کے غیرت مند مرید تھے اور اپنے مسلک کے راسخ پیروکار تھے۔اللہ تبارک وتعالیٰ نے اولاد صالح سے نوازا ہے۔پانچ بیٹے اور ایک بیٹی اور بیوہ سوگوار چھوڑے ہیں۔ادارہ ضیائے حرم ان کے غم میں برابر کا شریک ہے اور پورے خاندان کے لیے دعا گو ہے کہ اللہ کریم انہیں صبر جمیل سے نوازے۔آمین

تصحیح

گذشتہ شمارے کے سر دلبراں میں کتابت کی غلطی سے بعض جگہوں پر ''رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ'' کے بجائے سہواً درود پاک کے کلمات ''صلی اللہ علیہ والہ وسلم'' درج ہو گئے۔قارئین کرام تصحیح فرمالیں۔

توہینِ رسالت ﷺ: ایک سنگین جسارت

پیر فاروق بہاؤالحق شاہ

رحمت عالم ﷺ کی ذات وہ عظیم ذات ہے جن کے تذکرہ پاک کے لیے دہن کو مشک وگلاب سے ہزار بار دھونا پڑتا ہے۔ وہ عظیم شخصیت جن کی توصیف میں خود رب العالمین رطب اللسان ہے، جن کی شان ۱۴۰۰ سال سے بیان ہو رہی ہے لیکن ان کے اوصاف کا ایک باب بھی پورا نہیں ہوا۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ ہوں یا سعدی شیرازیؒ، امام احمد رضا بریلویؒ ہوں یا حافظ مظہر الدینؒ، حضرت ضیا الامتؒ ہوں یا مولانا مودودیؒ نظم ونثر میں حضور اکرم ﷺ کے اوصاف کے ذکر جمیل کا ایک دبستان آباد ہے۔ ان شخصیات کے ہوتے ہوئے میں کیا اور میری بساط کیا کہ میں اپنے آقا و مولا ﷺ کی شان میں کچھ کہہ سکوں، تاہم یہ ایک حقیقت ہے کہ ہر مومن کا دل محبت رسول ﷺ سے آباد ہے۔ ہر مسلمان کی رگوں میں عشق رسول ﷺ خون بن کر دوڑتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آقائے دوعالم ﷺ کی ذات ہمیشہ سے مسلمانوں کے لیے ایک حساس معاملہ رہا ہے۔ ہر مومن خود کو اپنے آقا ﷺ کی بارگاہ میں حاضر خیال کرتا ہے۔ آپ کے ذکر سے قلوب کو راحت ملتی ہے اور توصیف سے جاں کو سکون ملتا ہے۔

اسلام دشمن طاقتوں کو بھی مسلم دنیا کی حساسیت کا احساس ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بار بار مسلمانوں کو اذیت میں مبتلا کرنے کے لیے آقائے دوعالم ﷺ کی ذات پر مختلف اوقات میں رکیک حملے کرتے رہتے ہیں۔ بعض اوقات یوں لگتا ہے کہ یہ سب کچھ کسی منظم مہم کے تحت کیا جا رہا ہے۔ تاہم اسلام کی چودہ صدیوں کی تاریخ بتاتی ہے کہ مسلمانوں نے کبھی اس معاملے پر نہ تو کمزوری دکھائی ہے اور نہ ہی اپنے آقا ومولا ﷺ کی شان پر کوئی سمجھوتہ کیا۔ مسلمان غالب رہے ہوں یا مغلوب، آقائے دوعالم ﷺ کے حوالے سے ان کا جذبہ ایک سا رہا ہے۔ سپین میں جب مسلمانوں کا اقتدار عروج پر تھا تب عیسائی پادریوں کی جانب سے آقائے دوعالم ﷺ کی شان میں گستاخی کا ایک سلسلہ شروع کیا گیا لیکن اس وقت کی حکومت اور علماء نے یک جان ہو کر اس سازش کا مقابلہ کیا۔

برصغیر میں جب مسلمان غلامی کی زندگی بسر کر رہے تھے تب انگریز سرکار کی سرپرستی میں اسلامی عقائد اور رحمت عالم ﷺ کی گستاخی کا سلسلہ شروع کیا گیا۔ تب بھی مسلمانوں نے انہیں ہر میدان میں شکست فاش دی۔ ۱۹۲۹ء میں راج پال نامی گستاخ نے ایک دل آزار کتاب شائع کی۔ مسلمانوں نے پورے ہندوستان میں اس کے خلاف ردعمل ظاہر کیا اور اس کا اختتام غازی علم دین شہید کے ہاتھوں راجپال کے قتل کی صورت میں سامنے آیا۔

۷ مئی ۲۰۲۲ء کو بھارت میں ایک ٹی وی شو کے دوران بھارت کی حکمران جماعت بھارتیہ جنتا پارٹی کی ترجمان

''نوپور شرما'' نے آقائے دوعالم ﷺ کی شان میں گستاخانہ جملہ بولے۔اس کے خلاف بھارتی مسلمانوں نے اندراج مقدمہ کی درخواست دی لیکن اس پر عمل نہ ہوا اور پھر پورے ہندوستان میں اس گستاخی کے خلاف احتجاج شروع ہوگیا۔اس احتجاج کے دوران کئی مسلمان شہید ہوئے۔دیکھتے ہی دیکھتے پوری مسلم دنیا نے اس کا نوٹس لیا۔سعودی عرب،قطر،متحدہ عرب امارات،عمان، انڈونیشیا،عراق، اردن، لیبیا،کویت، قطر، بحرین، مالدیپ، افغانستان اور پاکستان سمیت اوآئی سی نے بھی شدید ردعمل دیا یہاں تک کہ اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل نے بھی اپنے ایک بیان میں تمام مذاہب کےاحترام پرزور دیا۔

فاشٹ مودی کے مظالم کی تاریخ طویل ہے۔اس نے گجرات میں مسلمانوں کا بہیمانہ قتل عام کرایا،ٹرین میں مسلمانوں کوجلا کرراکھ کردیا گیا، یہ بابری مسجد کی شہادت کا شریک مجرم بھی ہے۔اس کے دور میں ایک منظم مہم کے تحت مسلمانوں کی نسل کشی کی گئی اوراس کے انتہا پسندانہ رویے کی وجہ سے بھارت کی تمام اقلیتوں میں عدم تحفظ کا احساس بڑھا۔مسلمانوں کےساتھ ساتھ عیسائی، دلت، سکھ اور پارسی بھی ہندوؤں کے انتہا پسندانہ رویوں کا شکار ہیں۔

بھارت کے سیکولرازم کا پردہ بری طرح چاک ہو چکا ہے۔آج یہ نہرو اور ابوالکلام آزاد کا بھارت نہیں بلکہ مودی جیسے فاشسٹ اور نسل پرست متعصب ہندو کا ملک ہے۔بھارتی وزیراعظم، وزیرداخلہ یا وزیرخارجہ میں سے کسی نے تادم تحریر اپنی جماعت کے رہنماؤں کے رویے کی مذمت نہیں کی۔جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ ان کی سرپرستی میں ہورہا ہے۔مودی کی اقلیت دشمن کارروائیوں کی وجہ سے بھارت تیزی سے ٹوٹنے کے مرحلے کی طرف جارہا ہے۔دس سے زائد ریاستوں میں آزادی کی تحریکیں چل رہی ہیں اور وہ وقت دور نہیں جب رسول اللہ ﷺ کے گستاخی کرنے کی پاداش میں ان کا یہ ملک ٹکڑوں میں بٹ جائے گا۔بھارت میں ہونے والے گستاخانہ واقعہ کے بعد دیگر اسلامی ممالک کی طرح پاکستانی قوم نے بھی اپنے جذبات کا اظہار کیا لیکن حکومت روایتی اور سرکاری ردعمل سے آگے نہیں بڑھ سکی۔

جناب وزیراعظم! بعض معاملے سیاسی مصلحتوں سے بالاتر ہوکر دیکھنے چاہئیں۔آپ بذات خود ایک دین دار گھرانے سے تعلق رکھنے کے دعوے دار ہیں۔آپ کو یاد ہوگا کہ جب آپ پر براوقت آیا تھا تو اسی بارگاہ میں آپ کو پہلی پناہ نصیب ہوئی تھی۔آج اسی بارگاہ سے وفا کرنے کا وقت ہے۔دفتر خارجہ میں سفیر کو طلب کرنا بھی مناسب، پارلیمنٹ میں چند گھنٹوں کے لئے اس معاملے پر بحث کرنا بھی درست،لیکن اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر بتائیے کہ کیا یہ اقدامات کافی ہیں؟ آپ تمام اسلامی ممالک کے سربراہوں سے رابطہ کرکےاس معاملے پراجتماعی موقف اپنانے کی کوشش کریں،اقوام متحدہ کےفورم پر مؤثر آواز بلند کریں، سابق وزیراعظم عمران خان نے اقوام متحدہ کے پلیٹ فارم پر جس مؤثر انداز میں نبی رحمت ﷺ کی شان بیان کرکے امت مسلمہ کے جذبات کی ترجمانی کی تھی آج اسی مؤثر آواز کی ضرورت ہے، سیاسی مصلحتیں چھوڑیے اور وہ کردار ادا کیجئے جس کا قوم آپ سے تقاضا کررہی ہے۔ناموس رسالت ﷺ کے معاملہ پر کوئی کوتاہی ہوئی تو یہ قوم آپ کو معاف نہیں کرے گی اور پھر آخرت کا معاملہ بھی تو ہے، وہاں کیا جواب دیں گے؟

ایک شاہکار ادبی اور ایمان افروز تحریر

یہ کوچہ حبیب ہے، پلکوں سے چل کے آ

آغا شورش کاشمیری مرحوم

گنبد خضرا روبرو تھا، جہاں کبھی حضرت ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا مکان تھا اور رسول اللہ ﷺ کا ناقہ میزبانی کا شرف بخشنے کے لیے بیٹھے گیا تھا، وہاں جنت البقیع کو جاتی ہوئی سڑک پر کار رک گئی۔ باب عمر، باب عبدالمجید اور باب عثمان کی سڑک پر قصر الجاز ہوٹل ہے۔ وہاں ہم دو کمرے لے کر ٹھہر گئے۔ کوئی دس منٹ میں نہا دھو کر کپڑے بدلے، بالکونی سے جھانکا تو نگاہیں گنبد خضرا سے ہم آغوش ہو گئیں۔ اس وقت کبوتروں کی ٹکڑی نے ہالہ باندھ رکھا تھا۔ آرام گاہ نبوت میں کورنش بجا لا رہے ہیں۔ مجھ پر سکتہ طاری ہو گیا۔ کیا واقعی مدینۃ النبی ﷺ میں ہوں یا خواب دیکھ رہا ہوں۔ مجھے اپنے موجود ہونے کا احساس ہو گیا۔

سلام ہو! اے مدینۃ النبی ﷺ! تُو کائنات کے فکر و ناز کی پونجی ہے۔ تیری بنیادیں صبح قیامت تک قائم و دائم ہیں۔ تو نے وہ شرف حاصل کیا جو کرہ ارض کے کسی خطے کو حاصل نہیں اور نہ حشر تک کوئی خطہ اس سعادت سے مشرف ہوگا۔ تیرے آغوش میں ایک ایسا انسان سو رہا ہے جو اپنے مولد سے ہجرت کر کے یہاں آیا، تو نے اس کو پناہ دی، اس کی میزبانی کی پھر وہ تیرا ہی ہو گیا۔ تیری مٹی کو اس نے اپنے وجود سے زندہ جاوید کر دیا۔ تیرا نام اسی کا ہوگا، اسے یہاں تک بالا کیا اور دوام بخشا کہ صدیوں سے انسانوں کے قافلے صبح و شام تیری طرف کھنچے چلے آتے ہیں۔ تیری فضاؤں میں قرن ہا قرن سے درود و سلام کے موتی بکھر رہے ہیں۔ تیرے ہاں حاضر ہونا دنیا کی عظیم سعادتوں میں سے ایک سعادت ہے۔ سب سے بڑی سعادت آج قریب چودہ سو برس ہوئے ہیں، تیری کوئی ساعت کوئی ثانیہ کبھی درود و سلام سے خالی نہیں رہا۔ تیری گلیاں ہم ایسوں کے لیے مصری کی ڈلیاں اور گلاب کی کلیاں ہیں۔ تیرے ذرے مہر و ماہ کو شرماتے اور دل و نگاہ کو چمکاتے ہیں، تیری ہواؤں میں انفاس رسالت ﷺ کی خوشبوئیں بسی ہوئی ہیں۔

تُو کتنا حلیم و کریم ہے کہ ہم ایسوں کو بھی حاضری کی سعادت بخشتا ہے۔ تیری عزت بے پایاں اور تیری عظمت بے کراں ہے۔ تو وہ دریائے کرم ہے کہ ہر ذی روح تیرے یہاں آ کر اپنی پیاس بجھاتا ہے۔ تُو آنکھوں کا نور اور دل کا سرور ہے۔ اے کرۂ ارضی کے سرتاج! اے سرتاجِ الانبیا کی آرام گاہ! سیّد البشر کی بدولت کروڑوں انسانوں کو زندگی بخشنے والے! اے کلام الٰہی کے ۸۶۴۳۰ کلمات اور تین لاکھ تیئیس ہزار سات سو ساٹھ حروف میں سے مدنی آیتوں کی جائے نزول! اے اس آخری نبی ﷺ کے مدفن مبارک جس کی ذات اقدس پر ۲۲ سال ۵ ماہ کے عرصہ میں ۶۶۶۶ آیتیں نازل ہوئیں، اے رحمتوں اور فضیلتوں کے شہر، اے عظیم انسانوں کے ضامن، اے زبان و بیاں کے روح رواں! اے سپہ سالاروں کے دل کی

دھڑکن! اے انشاپردازوں کے علوفکر، اے شاعروں کے تخیل کی معراج، اے خطیبوں کے ولولہ خطابت کی آبرو، اے عالموں کے افکار کی آرزو، اے دانشوروں کے علم وحکمت کی جستجو، اے عابدوں کی جبیں کے ناز، اے زاہدوں کی محبت کے محور، اے جود وسخا کے مخزن، اے جمال دوست کے مسکن، اے گنہگاروں کی بخشش گاہ، اے بلدۂ رسالت پناہ، اے مرکز دل دنگاہ، اے انس وملک کی بوسہ گاہ، اے خطا کاروں کے خطا پوش، اے ہر عہد کے فضلاء کی منزل، اے عاشقان صادق کے محمل، ایک ہیچ مداں اور بے سروسامان کا سلام قبول کر۔

اے مدینۃ النبی! تُو مرکز انوار الٰہی ہے۔ تو نے سب غایتوں کی غایت اولیٰ کو دیکھا اور جاوداں ہوگیا۔ اللہ نے تجھے ہمیشگی بخشی ہے۔ فرشتے اللہ کے عرش سے تیرے فرش پر درود وسلام کے تحفے لاتے ہیں۔ تو نے اسلام کو رونق بخشی اور تاریخ کو عزت دی ہے۔ تو نے ادب کو درخشاں کیا۔ تو نے قلم کو توانائی، زبان کو رعنائی، بیان کو زیبائی اور فکر کو گہرائی بخشی ہے۔ ہم تیرے اور تو ہمارا ہے۔ تیری صبحوں میں صحابہؓ کا سوز دروں اور انصار ومہاجرین کا جوش جنوں ہے۔ تو شب زندہ داروں کی بلاواسطہ حکایت کا گوہر مکنوں ہے۔ تُو عرش سے نازک تر ہے۔ تیرے آغوش میں نصف اسلام سو رہا ہے۔ تیری مٹی پاتال تک مقدس ہے۔ تو سب سے بڑی تاریخ ہے۔ تیرے شمال میں احد ہے جس نے یہ قول ابوالحسن علی ندوی لُغت کو شجاعت کے لیے بے شمار الفاظ دیے ہیں۔ وہ پہاڑ جو قیامت کے روز جنت میں اٹھایا جائے گا۔ تیرے مشرق میں جنت البقیع ہے جہاں وہ لوگ سو رہے ہیں جو ابدالآباد تک زندہ ہیں۔ جن کے لیے موت نہیں، جن سے موت بھاگتی رہی اور ہمیشہ کے لیے بھاگ گئی۔ جن کے چہروں کی غیرت نے عرش وفرش سے سلام لیے ہیں، جو صرف زندہ رہنے کے لیے پیدا کیے گئے۔ جن کا عقیدہ تھا کہ موت زندگی کی ابتدا ہے اور وہ مر کے زندگی کی ابتدا کر گئے۔ وہی زندگی تب سے اب تک رواں دواں ہے۔

سلام ہو اے مدینۃ النبی ﷺ سلام ہو!

اے شہروں کے شہنشاہ! اے انسانوں کی امیدگاہ!

اے زیرِ فلک عالم پناہ! سلام ہو!

میں کیا، میری بساط کیا۔ ایک مجموعہ فسق وفجور۔ مجھ میں یہ بال وپر کہاں سے آ گئے کہ اڑ کے یہاں چلا آیا۔ بہت ہمت کی قدم اٹھتے ہی نہیں، ایک سیاہ کار کا رسول اللہ ﷺ کے روضہ اقدس پر حاضر ہونا بہت بڑی جسارت ہے۔ میں اس حد تک تو پہنچ گیا جہاں تک ۱۶۱ ہجری میں توسیع ہوئی تھی، اس سے آگے حوصلہ مفقود تھا۔ ہاتف نے آواز دی رکو نہیں، یہاں رک گئے تو کہیں کے نہیں رہو گے۔ ستون ابولبابہ رضی اللہ عنہ کے پاس کھڑا دیکھ رکھا تھا کہ حضور ﷺ حجرہ عائشہ میں فروکش ہیں۔ میں نے اپنے تئیں بندھا ہوا پایا۔ حضور بلائیں تو آگے بڑھوں۔ ان کی طرف سے بندش ڈھیلی نہ ہوگی تو ہلوں گا کیونکر؟ دل نے کہا ”روسیا ہوں کے روسیاہ! جب تک اس در پہ کھڑا نہیں ہوگا، یہ روسیاہی نہیں دھلے گی، یہ داغ نہیں مٹیں گے۔ پگلے! ان سے مایوس ہوتے ہو جو لاتقنطوا کا مژدہ لائے۔ تو چشمہ پر تشنگی مٹانے پہنچا ہے اور لب خشک کیے کھڑا ہے۔ آگے بڑھ اور کھڑا ہو جا! ان کے سامنے جو دونوں جہانوں کی رحمت ہیں۔ ان کے فیض کا خزانہ کھلا ہے، دونوں ہاتھوں سے جھولی بھر۔ صبح ومسا بھر۔

یہاں سے ہر شخص کو خلعت فاخرہ ملتی ہے۔ کوئی روکنے ٹوکنے والا نہیں۔ یہ رحمۃ اللعالمین ﷺ کا دربار ہے، سورج کالے گوروں پر یکساں چمکتا ہے، ہوا گنہگاروں کے لیے رک نہیں جاتی۔ وہ سب کے لیے مشام جاں ہیں۔ خوشبو پھیلنے کے لیے ہے۔ چشمے کسی کے لیے اپنے سوتے نہیں موڑتے، وہ سب کے لیے رواں دواں رہتے ہیں۔ لوگ آتے ہیں اور تشنگیاں مٹا کر چلے جاتے ہیں۔ آبِ رواں نے کسی تشنہ لب سے اس کی ذات پات نہیں پوچھی، ہمیشہ ظروف بھر دیے ہیں۔

میں آخر وہاں پہنچ گیا جہاں پہنچنے کے لیے آیا تھا۔ روضہ اقدس ﷺ کے سامنے ہدیہ عقیدت پیش کیا۔

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ...... الصلوٰۃ والسلام علیک یا حبیب اللہ......

الصلوٰۃ والسلام علیک یا نبی اللہ۔

تین بیضوی جھروکوں میں پہلا جھروکہ حضور سرور کونین ﷺ کا ہے۔ دوسرا سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا، تیسرا سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا...... نہ جانے کتنی دیر گم صم کھڑا رہا۔ آنسوؤں کی جھڑی لگی رہی۔ انسانوں کا تانتا بندھا ہوا ہے اور سب اشکبار ہیں۔ اس حد تک تحیر ہے کہ ایک دوسرے سے کوئی آگاہ نہیں۔ لوگ آ رہے ہیں اور جا رہے ہیں، پہرے دار کھڑے ہیں راستہ بن رہا ہے، خلقت نکل رہی ہے، دعائیں لٹ رہی ہیں۔ شمع روشن ہے، پروانے جمع ہیں، گھٹتے ہی نہیں، بڑھتے چلے جاتے ہیں، دعائیں دہرا دہرا کر ختم ہو گئیں۔ درود و سلام کے نذرانے نذر ہوتے رہے۔ وہ کیف و سرور کا حسین منظر جو مواجہ پر تھا، ہر آن بڑھتا گیا۔ ادب کی آخری حد، عشق کی منتہا، حسن کی جولان گاہ، ملائکہ عرش الٰہی سے اتر کر درود و سلام کے موتی نچھاور کر رہے ہیں۔

یہاں کوئی شخص مادی نذرانے لے کر نہیں آتا۔ نذرانہ نیاز، پھول نہ گجرے، نہ اگربتی نہ چادریں، نہ فواکہات نہ مشروبات، دل و نگاہ کے سوا کوئی نذرانہ نہیں، ادب و توقیر اور عجز و انکسار سب سے بڑے نذرانے ہیں۔ طاقچوں پر چاروں طرف قرآن سجے ہیں۔ لوگ نوافل و فرائض سے فارغ ہو کر قرآن پڑھتے اور جس پر قرآن نازل ہوا اس کے حجرے کو تکتے اور درود و سلام بھیجتے ہیں۔ ہر شخص اس گماں میں ہوتا ہے کہ ابھی بس ابھی اُمی لقبی ہاشمی، سر پردہ حرم سے باہر تشریف لائیں گے اور ہم ان کے جمال جہاں آرا کے انوار سے اپنا دامن بھر لیں گے، بڑھ کر قدوم ناز پہ نثار ہو جائیں گے۔

قرآن وہاں پڑھا جا رہا تھا جہاں گنبد خضرا تلے وہ عظیم ہستی ﷺ محو خواب ہے جس پر یہ نازل ہوا تھا۔ سبحان اللہ! آواز تھی کہ سحر...... قرآن پاک دلوں میں اترتا جا رہا تھا۔ اسطوانہ جبرئیل ...... روضہ اقدس اور کلام پاک! اندازہ کیجیے کیا سماں ہوگا! یہی وہ لذتیں ہیں جو الفاظ کے حصار میں نہیں آتیں۔ ایسا کوئی آئینہ نہیں جو عکس لے سکے اور کوئی بیاں نہیں کہ احاطہ کر سکے۔ جبین خیال پر سوچ کا موتی ابھارے، وہ کیا چیز ہوگی جو عشق کے ان ایمان افروز لمحوں میں پیدا ہوتی اور دل و دماغ کو مسحور کرتی ہے...... عشق واردات اور کیف و مستی کا یہی وہ مقام ہے جہاں الفاظ پیچھے رہ جاتے ہیں، آواز ساکت ہو جاتی ہے اور انسان پر سحر طاری ہو جاتا ہے۔

وہ سامنے ہیں نظام حواس برہم ہے
نہ آرزو میں سکت ہے نہ عشق میں دم ہے

اعلان داخلہ
مرکزی دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف
میں سال اوّل میں داخلہ کے لیے درخواستیں جمع کروانے کی تاریخ
یکم سے پندرہ اگست 2022ء ہے۔
درخواست گزار درخواست کے ساتھ اپنے میٹرک
کے رزلٹ کی تصدیق شدہ کاپی ضرور لگائیں۔
میٹرک کے رزلٹ میں تاخیر کی صورت میں کلاس نہم کے رزلٹ
کی کاپی درخواست کے ساتھ لف کریں۔
اور اپنی درخواست
من جانب
شعبہ داخلہ دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف
تحصیل بھیرہ، ضلع سرگودھا کے ایڈریس پر بھیج دیں۔
مزید معلومات کے لیے ان نمبرز پر رابطہ کرسکتے ہیں:
0486690614 ، 03236336281

قربانی کیوں؟

سنتِ ابراہیمی پر اعتراضات کا جائزہ

بابر حسین بابر

اہلِ اسلام جس خدا پر یقین رکھتے ہیں وہ صرف خالق و مالک ہی نہیں علیم و خبیر اور حکیم بھی ہے۔ اس کا کوئی بھی حکم حکمت سے خالی نہیں۔ وہ اپنی مخلوق کی ضروریات کو انسانوں کی نسبت کہیں بہتر سمجھتا ہے۔ وہ رحمٰن و رحیم پروردگار ہونے کے ناتے اپنی مخلوق کے برے بھلے کو بہتر جانتا ہے۔ بحیثیت مسلمان ایک کلمہ گو، اللہ رب العالمین کے ہر حکم کو برحق تسلیم کرتے ہوئے اس کے سامنے گردن جھکا دیتا ہے۔ اپنی بشری کمزوری کی بنا پر وہ اس پر عمل نہ بھی کر سکے تو اسے اس حکم پر اعتراض کرنے اور علیم و حکیم پروردگار کے کسی حکم کو اپنی عقلِ کوتاہ کے مطابق پرکھنے کی جرأت نہیں ہوتی۔ لیکن بدقسمتی سے مسلمان کہلانے والے کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو اپنے تئیں ہر بات کو عقل کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں اور ہر چیز کی درست توجیہ جاننا چاہتے ہیں۔ ان کے اپنے خیال کے مطابق وہ سوال کرنے کا حق رکھتے ہیں اور ان کے بقول جب ان کے سوالوں کا تسلی بخش جواب نہیں مل پاتا تو تنگ نظر ملاں ان پر کفر والحاد کے فتوے لگانے لگتے ہیں۔ انہیں اپنی عقل و خرد اور دانشوری صد مبارک لیکن اگر ان کے سوالوں میں کوئی دم خم ہو تو انہیں اپنی خرد پر ناز کرنا چاہیے بصورتِ دیگر عقل و خرد، منطق، لاجک اور ریزننگ کے نام پر جاہلانہ روش سے باز آجانا چاہیے۔ یہ لوگ اسلام کے جن شعائر کو نشانے پر رکھتے ہیں ان میں سے ایک قربانی بھی ہے۔

قربانی کو شریعتِ اسلامیہ میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اسے سنتِ ابراہیمی کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ قرآنِ حکیم میں اس کے متعلق واضح ہدایات بھی موجود ہیں اور اس کے مذہبی، معاشرتی اور معاشی فوائد بھی ہیں جنہیں جاننے اور سمجھنے کے لیے دل سے مذہب دشمنی اور دماغ سے خود کو عقلِ کل سمجھنے کا خمار اتارنے کی ضرورت ہے۔ قرآن و سنت سے ثابت قربانی جیسے شعار پر اعتراضات مختلف حوالوں سے کیے جاتے ہیں جن کا جائزہ ذیل کی سطور میں پیش کیا جاتا ہے:

منکرینِ سنّت کے اعتراضات

اس گروہ کا طریقہ واردات صرف قربانی کے متعلق ہی نہیں بلکہ اپنے ہر موقف کے بارے میں یہی ہے کہ یہ قرآن پاک کی کسی آیت کے متعلق اپنے فہم اور اپنی پیش کردہ تشریح کو منشائے قرآن قرار دیتے ہیں اور پھر احادیث کو قرآن سے متضاد قرار دے کر ان کا انکار کر دیتے ہیں۔ حالانکہ احادیث قرآن سے متضاد نہیں ہوتیں بلکہ ان کے فہم کے مطابق نہیں ہوتیں۔ بعض اوقات تو یہ کسی حدیث کو محض اس بنا پر قرآن کے خلاف قرار دے کر مسترد کر دیتے ہیں کہ حدیث سے ثابت ہونے والا حکم قرآن میں موجود نہیں۔ اگر رد حدیث کے لیے اسی اصول کو معتبر مان لیا جائے تو نماز کی رکعات، پڑھنے کا طریقہ، زکوٰۃ کا نصاب، حج کے مناسک اور دیگر کئی احکام خلاف قرآن قرار دیے جائیں گے۔ کیونکہ ان کی تفصیلات قرآن

میں موجود نہیں۔قربانی کے متعلق بھی منکرینِ سنّت کا یہی واویلا ہے کہ اس کا حکم قرآن میں موجود نہیں۔بحیثیت مسلمان ہمارے نزدیک حدیث بھی حجت اور شریعتِ اسلامیہ کا دوسرا بڑا ماخذ ہے۔لیکن ہم قربانی کے متعلق قرآنی آیات پیش کرنے پر اکتفا کریں گے، تاکہ اس غلط فہمی کا ازالہ ہو سکے جو منکرینِ سنت قربانی کے حوالے سے پھیلاتے ہیں۔

پہلی آیت

ارشاد باری تعالیٰ ہے:فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ (۱) پس آپ نماز پڑھا کریں اپنے رب کے لیے اور قربانی دیں (اسی کی خاطر)۔ علامہ ابنِ جریر طبری نے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی یہ تفسیر نقل کی ہے:

عن ابنِ عباس (فصل لربك وانحر) قال : الصلوة المكتوبة والنحر النسك و الذبح يوم الاضحى (۲)

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فصل لربك وانحر کی تفسیر میں فرمایا: اس سے مراد فرض نماز ہے اور نحر سے مراد دسویں ذی الحج کو قربانی اور جانور کا ذبح کرنا ہے۔

علامہ ابنِ کثیر اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

قال ابن عباس و عطاء و مجاهد وعكرمة والحسن : يعنى بذلك نحر البدن و نحوها و كذا قال قتادة و محمد بن كعب القرظى و الضحاك و الربيع و عطاء الخراسانى و الحكم و اسماعيل بن ابى خالد و غير واحد من السلف و هذا بخلاف ما كان المشركون عليه من السجود لغير الله و الذبح على غير اسمه۔ (۳)

ابنِ عباس، عطاء، مجاہد، عکرمہ اور حسن نے کہا ہے کہ اس سے مراد جانوروں کی قربانی ہے اور اسی طرح قتادہ، محمد بن کعب القرظی، ضحاک، ربیع، عطا الخراسانی، حکم، اسماعیل بن ابی خالد اور کئی اسلاف نے کہا ہے۔اور یہ طریقہ مشرکین کے برعکس ہے کہ وہ غیر اللہ کو سجدہ کیا کرتے تھے اور غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا کرتے تھے۔

تفسیر عثمانی میں ہے: بدنی اور روحی عبادات میں سب سے بڑی چیز نماز ہے اور مالی عبادات میں قربانی ایک ممتاز حیثیت رکھتی ہے۔کیونکہ قربانی کی اصل حقیقت (انسانی) جان کو قربان کرنا تھا، جانور کی قربانی کو بعض حکمتوں اور مصلحتوں کی بنا پر اس کے قائم مقام کر دیا گیا جیسا کہ حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہم السلام کے قصہ سے ظاہر ہے۔(۴)

دوسری آیت

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكاً لِيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَى مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ (۵)

اور ہر امت کے لیے مقرر فرمائی ہے ہم نے ایک قربانی تاکہ وہ ذکر کریں اللہ تعالیٰ کا اسم (پاک) ان بے زبان جانوروں پر ذبح کے وقت جو اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا فرمائے ہیں۔

اس آیت کی تفسیر میں علامہ قرطبی نے لکھا ہے:

لما ذكر تعالىٰ الذبائح بين انه لم يخل منه امة و الامة القوم المجتمعون على مذهب واحد اى ولكل جماعة مؤمنة جعلنا منسك و المنسك الذبح و اراقة الدم۔ (۶)

جب اللہ تعالیٰ نے ذبیحوں کا ذکر کیا تو یہ بھی بیان فرما دیا کہ کوئی بھی امت اس سے خالی نہیں رہی۔ اور امت اس قوم کو کہتے ہیں جس کا مذہب ایک ہو۔ یعنی ہر مومن جماعت کے لیے ہم نے ایک منسک بنایا اور منسک کا معنی ہے ذبح کرنا اور خون بہانا۔

علامہ اسماعیل حقی نے بھی منسک کی یہی تفسیر کی ہے۔ آپ نے لکھا ہے:

والمراد به اراقة الدماء لوجه الله تعالىٰ (۷)

اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر خون بہانا ہے۔

ضیاء الامت جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

اے امت محمدیہ جانوروں کی قربانی کا حکم صرف تمہیں ہی نہیں دیا گیا بلکہ تم سے پہلے جتنی ہدایت یافتہ امتیں گزری ہیں ان سب کو یہ حکم دیا گیا ہے۔ اس ارشاد ربانی سے ان لوگوں کی غلط فہمی بھی آشکارا ہو گئی جو حج کے موقع پر منیٰ میں قربانی دینے کے تو قائل ہیں لیکن عید الاضحیٰ کے موقع پر تمام مسلمان جو قربانیاں دیتے ہیں اس کو اسراف اور اضاعت مال کہتے ہیں۔ حالانکہ حضور اکرم ﷺ نے اپنے مدینہ طیبہ کے دس سالہ قیام میں ہر سال مدینہ طیبہ میں قربانی دی اور صحابہ کرام کو قربانی دینے کا حکم دیا اور اس کے احکام سے آگاہ کیا اور آج تک امت مسلمہ کا ہر جگہ اور ہر زمانہ میں اس پر عمل رہا ہے۔ (۸)

تیسری آیت

وَالْبُدْنَ جَعَلْنَاهَا لَكُم مِّن شَعَائِرِ اللَّهِ لَكُمْ فِيهَا خَيْرٌ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا صَوَافَّ فَإِذَا وَجَبَتْ جُنُوبُهَا فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ كَذَٰلِكَ سَخَّرْنَاهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ۔ (۹)

اور قربانی کے فربہ جانوروں کو بنایا ہے ہم نے تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے تمہارے لیے ان میں بھلائی ہے پس لو اللہ تعالیٰ کا نام ان پر اس حال میں کہ ان کا ایک پاؤں بندھا ہوا اور تین کھڑے ہوں پس جب وہ گر پڑیں کسی پہلو پر تو خود بھی کھاؤ اس سے نیز کھلاؤ قناعت کرنے والے فقیر کو اور بھیک مانگنے والے کو۔ اس طرح ہم نے فرمانبردار بنا دیا ان جانوروں کو تمہارے لیے تاکہ تم (اس احسان کا) شکریہ ادا کرو۔

علامہ ابن جوزی فَكُلُوا مِنْهَا کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

والامر بالاكل منها امر اباحة وهذا فى الاضاحى (۱۰)

اور ان میں سے کھانے کا حکم اباحت کے لیے ہے اور یہ قربانیوں کے بارے میں ہے۔

علامہ ابو اللیث ثمرقندی فَكُلُوا مِنْهَا کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

روی منصور عن ابراهیم قال :کان المشرکون لا یأکلون من ذبائحهم فرخص المؤمنون بقوله (فَكُلُوا مِنْهَا)فمن شاء اکل فمن شاء لم یأکل۔ (۱۱)

منصور نے ابراہیم سے روایت کی انہوں نے کہا: مشرکین اپنی قربانیوں میں سے کھایا نہیں کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے ارشاد فَكُلُوا مِنْهَا سے رخصت دی پس جو کھانا چاہے کھا سکتا ہے اور جو نہ کھانا چاہے نہ کھائے۔

علامہ ابنِ کثیر نے اس آیت میں بین کردہ مسائل کی تفسیر میں قربانی کے فضائل و مسائل کے متعلق احادیث نقل کی ہیں۔ آیتِ کریمہ کے اس حصے فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ کی تفسیر میں علامہ مذکور لکھتے ہیں:

وقد احتج بهذه الآية الكريمة من ذهب من العلماء ان الاضحية تجزأ ثلاثة اجزاء فثلث لصاحبه یأکلها و ثلث یهدیه لاصحابه و ثلث یتصدق به علی الفقراء لانه تعالیٰ قال : (فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ) (۱۲)

اوراس آیتِ کریمہ سے ان علماء نے استدلال کیا ہے جن کا مذہب یہ ہے کہ قربانی کے تین حصے کیے جائیں گے، ایک حصہ قربانی کرنے والے کے لیے ہے جو وہ خود کھائے گا۔ ایک حصہ وہ اپنے دوستوں کو بطور ہدیہ دے گا اور ایک حصہ فقراء پر صدقہ کرے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: خود بھی کھاؤ اس سے نیز کھلاؤ قناعت کرنے والے فقیر کو اور بھیک مانگنے والے کو۔

چوتھی آیت

لَن يَنَالَ اللَّهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلَكِن يَنَالُهُ التَّقْوَىٰ مِنكُمْ (۱۳)

نہیں پہنچتے اللہ تعالیٰ کو ان کے گوشت اور نہ ان کے خون البتہ پہنچتا ہے اس کے حضور تک تقویٰ تمہاری طرف سے۔

اس آیت کی تفسیر میں جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

کفار جب قربانی کے جانور ذبح کرتے تو ان کا خون کعبے کی دیواروں پر مل دیتے اور گوشت اپنے بتوں کے پاس لا کر رکھ دیتے اور خیال کرتے کہ جب تک ایسا نہ کیا جائے ہماری قربانی مقبول نہیں ہوتی۔ اس آیت میں مسلمانوں کو یہ بتا دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے قربانی کے جانوروں کے گوشت اور خون کی ضرورت نہیں کہ تم اسے اٹھاؤ اور کعبہ کی دیواروں پر مل کر انہیں آلودکرو۔ اس کی جناب میں تو تمہارا اخلاص اور تقویٰ شرفِ قبولیت حاصل کرے گا۔ (۱۴)

پانچویں آیت

وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ (۱۵)

اور ہم نے بچالیا اسے فدیہ میں ایک عظیم ذبیحہ دے کر۔

علامہ ابنِ عطیہ عظیم کی تفسیر میں لکھتے ہیں: لجری السنة و کونه دینا باقیا آخر الدهر۔ (۱۶)

(قربانی کی) سنت جاری ہونے اور قیامت تک دین کی حیثیت سے باقی رہنے کی وجہ سے (اس قربانی کو عظیم کہا گیا۔)

گذشتہ سطور میں قرآن پاک کی وہ آیات پیش کی گئیں جن میں قربانی کا تذکرہ واضح طور پر موجود ہے۔ معلوم نہیں منکرینِ حدیث ان آیات کی کیا توجیہ پیش کرتے ہیں لیکن توجہ طلب امر یہ ہے کہ وہ ان آیات کا جو مفہوم پیش کریں وہی قابلِ قبول اور درست کیوں ٹھہرے؟ اور کس بنا پر قربانی کے متعلق ظاہری مفہوم سے انکار کر دیا جائے جو ہمیشہ سے امتِ مسلمہ کا اجماعی موقف رہا ہے۔ منکرینِ حدیث زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان کے نزدیک قرآن پاک کی ان آیات سے قربانی ثابت نہیں ہوتی لیکن اس سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ ایک قلیل گروہ جو قرآن پاک کا مفہوم بیان کرے اسے ہی درست مانتے ہوئے امتِ مسلمہ کے اس اجماعی موقف کو خلاف قرآن دے دیا جائے جو بڑے واضح الفاظ میں قرآنِ پاک سے ثابت ہے۔ منکرینِ حدیث زیادہ سے زیادہ یہی کہہ سکتے ہیں کہ ان آیات میں ذبح ونسک سے مراد حج کے موقع پر جانوروں کی قربانی ہے۔ لیکن ان کا یہ موقف کس دلیل کی بنا پر قبول کر لیا جائے جبکہ ان آیات میں کوئی ایسی تخصیص موجود نہیں اور نہ ہی ایسے قرائن موجود ہیں جن سے دسویں ذی الحج کی قربانی کا انکار کر دیا جائے۔ جبکہ سورہ کوثر میں واضح طور پر وانحر کے الفاظ موجود ہیں جن کا مطلب ہے قربانی کیجیے۔ اسی کی تفسیر میں علامہ ابنِ کثیر کا یہ حوالہ ہم پیش کر چکے ہیں کہ قربانی کا یہ طریقہ مشرکین کے برعکس ہے کہ وہ غیر اللہ کو سجدہ کیا کرتے تھے اور غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا کرتے تھے۔

قربانی اور غریبوں کی امداد

بحیثیت مسلمان ایک کلمہ گو اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کر لیتا ہے۔ اس حکم پر اعتراض تو کجا اس حکم سے انکار بھی اس کے ایمان کو غارت کر دیتا ہے۔ لیکن مذہب کے معاملہ کو مغرب کی عینک سے دیکھنے والے دینِ اسلام اور اس کے احکام کی اہمیت سے آگاہ نہیں۔ انہوں نے دینِ اسلام کو بھی دیگر مذاہبِ عالم کی طرح فرد کا ذاتی معاملہ ہی سمجھا اور اس کے احکام کو محض مذہبی رسومات ہی جانا۔ جبکہ دینِ اسلام کے احکام ایک مسلمان کا ذاتی معاملہ نہیں بلکہ یہ دین ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ اس میں مذہبی، معاشرتی، معاشی، سیاسی، اخلاقی، روحانی، ذاتی، انفرادی، قومی اور بین الاقوامی معاملات کے متعلق ربانی احکامات موجود ہیں اور ہر حکم حکمت سے بھرپور ہے جس پر صحیح عمل پیرا ہونا دنیوی ترقی اور اخروی کامیابی کا ضامن ہے۔

کچھ لوگ قربانی کو حکمِ الٰہی اور سنتِ رسول ﷺ سمجھ کر اس پر عمل پیرا ہونے کے بجائے اس کے متعلق قیاس آرائیوں سے کام لیتے ہیں اور اس کے متعلق اپنی عقلِ کوتاہ اندیش سے رائے زنی کرنے لگتے ہیں۔ اتنے وسیع پیمانے پر جانوروں کی قربانی دیکھ کر ان کا دل گھبرانے لگتا ہے اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اتنی خطیر رقم خون بہانے اور جانوروں کو ذبح کرنے پر خرچ کر دی جاتی ہے۔ اسی رقم سے اگر غریبوں کی مدد کر دی جائے تو ان کا فائدہ ہو۔ انہیں قربانی میں مال و دولت کا ضیاع نظر آنے لگتا ہے اور غریبوں کی فکر دامن گیر ہونے لگتی ہے۔ بعض من چلے تو یہ اعلان بھی کر دیتے ہیں کہ وہ کوئی جانور خریدنے کے بجائے اتنی رقم فلاں فلاحی کام کے لیے دیں گے۔

اگر ایک انسان اسلامی احکام سے آگاہ ہو تو قربانی کے متعلق ایسی سوچ اس کے ذہن میں ہرگز نہیں آسکتی۔ دینِ اسلام میں غریبوں کی امداد کے لیے نہ صرف زکوۃ وصدقات کے احکامات موجود ہیں بلکہ اس کے مصارف بھی بیان کردیے گئے ہیں اور صاحبِ حیثیت لوگوں پر یہ لازم کردیا گیا ہے کہ وہ اپنے مال سے باقاعدگی کے ساتھ زکوۃ نکالیں اس کے علاوہ نفلی صدقات، والدین کے ساتھ حسنِ سلوک اور قریبی رشتہ داروں کا خیال رکھنے کی تلقین بھی کی گئی ہے۔ انفاق فی سبیل اللہ یعنی اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کی بار بار تلقین کی گئی ہے۔ اگر ان احکام پر صحیح طریقے سے عمل کیا جائے تو غریبوں کی امداد کے ایک خوبصورت نظام قائم ہوجاتا ہے۔ اس لیے جانوروں کی قربانی سے ہلکان ہونے والوں کو غریبوں کی فکر کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔

اگر غور کیا جائے تو قربانی کے اس حکم پر عمل کرنے کے بے شمار فوائد ہیں۔ ایک عام ذہن قربانی کو جانوروں کی نسل کشی سمجھتا ہے لیکن حقیقت میں یہ جانوروں کی افزائش کا ذریعہ ہے اور جانوروں کی افزائش کے ساتھ روزگار کے کئی ذرائع وابستہ ہیں۔ گویا قربانی کا یہ حکم معیشت کی ترقی میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ عید کے موقع پر جانوروں کی خرید وفروخت سے کئی لوگوں کو فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ جانورں کی منڈیاں لگتی ہیں۔ منڈیوں تک جانوروں کو پہنچانے کا انتظام کیا جاتا ہے جس کے لیے ذرائع نقل وحمل استعمال کیے جاتے ہیں، جانوروں کی غذا کے لیے چارے کا انتظام کیا جاتا ہے جس کا براہِ راست تعلق ہماری زراعت سے ہے۔ جانوروں کو باندھنے کے لیے رنگا رنگ رسیاں فروخت ہوتی ہیں اور انہیں ذبح کرنے والے بھی اپنی مزدوری وصول کرتے ہیں۔ چھریاں اور ٹوکے فروخت کرنے والے اور ان کو تیز کرنے والے الگ کاروبار کرتے ہیں۔ جانوروں کا گوشت وسیع پیمانے پر تقسیم کیا جاتا ہے جو کئی غریب لوگوں تک بھی پہنچ جاتا ہے اور وہ بھی سال میں کچھ دن اپنے بچوں کے لیے اچھے کھانے کا انتظام کر لیتے ہیں۔ چرمہائے قربانی فلاحی تنظیموں، مدارس اور اداروں کو دی جاتی ہیں جس سے چمڑے کی صنعت تو فروغ پاتی ہی ہے ساتھ ہی ساتھ یہ فلاحی تنظیمیں اور ادارے ان سے حاصل ہونے والی رقم غریبوں پر خرچ کرتے ہیں۔ الغرض قربانی کے اس نظام میں جس قدر غور کیا جائے اس میں معیشت کی ترقی اور غریبوں کی بھلائی نظر آتی ہے۔

قربانی تہوار نہیں مذہبی شعار ہے

وقت کس تیزی سے بدل رہا ہے۔ اسلام کے نام پر قائم ہونے والے ملکِ خداداد پاکستان میں مذہب بیزار الحادی فکر کس طرح پھیل رہی ہے اور ایک ایسا ملک جو آئین کے رو سے اسلامی جمہوریہ ہے اور جس کا آئین اس بات کی ضمانت دیتا ہے کہ یہاں کے باشندے اسلامی احکامات کے مطابق زندگی بسر کریں، اسی ملک میں کچھ لوگ دانشوری کے نام پر صرف مذہبی تعلیمات سے ہی نہیں بلکہ آئین سے بھی بغاوت کرنے پر تلے ہیں اور بڑی دیدہ دلیری سے مذہبی شعار کا مذاق اڑانے اور ان پر اعتراض کرنے میں مصروف ہیں۔ بات اگر آزادیِ رائے کی ہوتی تو گوارا کر لی جاتی لیکن فکری آزادی کے نام پر شرعی احکام پر بے جا اعتراض اٹھا کر گمراہ کن نظریات پھیلانا نہ مذہب سے ہی نہیں آئین اور ریاست سے بھی

بغاوت ہے۔ حیرت اور افسوس کا مقام ہے کہ آئین کے ان باغیوں کو ریاست نے کھلی چھٹی دے رکھی ہے اور ان کی کوئی بات کمیونٹی سٹینڈرڈ کے خلاف ٹھہرتی ہے نہ یہ کالعدم قرار پاتے ہیں۔ ان کی باتیں منافرت پیدا کرنے کا سبب بنتی ہیں نہ انتہا پسندی کے زمرے میں آتی ہیں بلکہ ان کے ارشادات عالیہ کو گھٹن کے ماحول میں تازہ ہوا کا جھونکا قرار دیا جاتا ہے۔ گویا کسی اسلامی حکم پر عمل پیرا ہونا رضائے خداوندی کا حصول نہیں، اس حکم کی تعمیل سے معاشرے میں کسی قسم کی برکات کا ظہور نہیں ہوتا بلکہ کسی مذہبی حکم پر عمل اور مسلسل عمل ایک گھٹن ہے جس کو بدلنے کے لیے الحادی نظریات کی تازہ ہوا ضروری ہے۔ ہم حکومت و ریاست سے مذہبی احکام کی بجا آوری کا ہی نہیں بلکہ آئین کے تحفظ کا بھی مطالبہ کرتے ہیں۔ آئین سے بغاوت کرنے والے ان آزاد خیال لوگوں کے خلاف ریاست کی رٹ کہاں ہے؟

اس مضمون میں ہم نے قربانی پر ہونے والے مختلف قسم کے اعتراضات کا جائزہ لیا ہے۔ منکرینِ حدیث نے شریعت سے براہ راست بغاوت نہیں کی بلکہ اپنے تئیں اپنے خیال کی تائید کے لیے قرآن کو بنیاد بنایا ہے۔ جانوروں کی قربانی کے بجائے غریبوں کی مالی امداد کا خیال رکھنے والوں نے ایک شرعی حکم کو عقل پر پرکھنے کی کوشش کی ہے جبکہ ایک طبقہ ایسا بھی ہے جس نے مذہب کو بنیاد بنایا نہ عقل کو بنیاد بناتے ہوئے اپنے خیال میں قربانی کا بہتر متبادل پیش کیا بلکہ اس طبقے نے قربانی پر سیدھا سیدھا اعتراض کیا اور اس حکم کی مخالفت کرتے ہوئے اپنی رائے کے مطابق اس کے نقصانات گنوائے۔ یہ خطرناک ترین رجحان جہاں مذہب پسند طبقے کے لیے سوالیہ نشان ہے وہیں ان کی ذمہ داریوں میں بھی اضافہ کرتا ہے۔ ایسے لوگوں کو حسبِ معمول لعن طعن کرنے اور انہیں ملحد و بے دین کہہ دینے سے ان شبہات کا خاتمہ ممکن نہیں جو یہ لوگ نسلِ نو کے ذہنوں میں پیدا کر رہے ہیں۔ اس کی ایک جھلک حاشر ابنِ ارشاد نام کے ایک ملحد کے خیالات میں ملاحظہ کیجیے:

> مجھے وہ سب تیوہار پسند ہیں جن میں خوشبو ہو، دیے روشن ہوں، رنگ بکھریں، فصل کٹے، میٹھا کھایا اور کھلایا جائے۔ مجھے وہ سب تیوہار پسند ہیں جو میری مٹی سے جڑے ہیں، میرے موسموں سے مناسبت رکھتے ہیں۔ جن میں رقص ہے جن میں موسیقی ہے جن میں سرخوشی ہے۔ اور مجھے وہ سب تیوہار پسند ناپسند ہیں جن میں خون بہے، تشدد ہو، تعفن پھیلے، بے رحمی کی تربیت ملے، گلے کاٹنے کا ابتدائی کورس ہو اور امارت و غربت کے بیچ حدِ فاصل کھنچتی چلی جائے۔ بس اتنی سی بات ہے۔

ایک مسلمان خواہ وہ کتنا ہی گنہگار اور بے عمل نہ ہو اس کے لیے یہ خیالات ناقابلِ برداشت ہیں۔ ایک ایک لفظ تیر کی طرح دل میں پیوست ہو جاتا ہے اور طنزیہ لہجے کی کاٹ سے جگر چھلنی ہو جاتا ہے۔ سنتِ ابراہیمی پر اس قسم کے اعتراضات؟ حکمِ خداوندی پر اس قسم کی جملہ بازی؟ ایک مذہبی شعار پر اس قسم کے سوقیانہ جملے؟ اور پھر بات کرنے کا انداز ایسا کہ اچھے بھلے آدمی کا دماغ چکرا جائے۔ لیکن اس کا جواب لعنتوں کی بوچھاڑ سے نہیں دیا جا سکتا۔ ملحدانہ نظریات کہہ کر ان خیالات کا رد نہیں کیا جا سکتا۔ گالیاں دینے سے نسلِ نو کے ذہنوں میں پیدا ہونے والے ان شبہات کا ازالہ نہیں کی جا سکتا جو الحادی نظریات کی ابتدائی تلقین کا کام کر رہے ہیں۔

حاشر ابنِ ارشاد کی خدمت میں گزارش ہے کہ قربانی کوئی معاشرتی یا علاقائی تہوار نہیں جو کسی خاص موسم، خاص قوم یا خاص علاقے سے جڑا ہو بلکہ یہ ایک حکمِ شرعی ہے اس کی اپنی حکمتیں ہیں، اپنے فوائد و ثمرات ہیں اور اس کا مذہبی، معاشی اور معاشرتی پہلو ہے جس پر ہم قدرے تفصیل سے بات کریں گے لیکن آپ کی خدمت میں یہ گذارش کرتے چلیں کہ ایک مسلمان اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کو مقدم سمجھتا ہے۔ آپ کی پسند یا ناپسند اس کے نزدیک کوئی معنی نہیں رکھتی اور نہ مذہبی احکامات کسی کی پسند یا ناپسند سے وجود پاتے ہیں۔

سب سے پہلے تو یہ یاد رکھنا چاہیے کہ مذہبی اعتبار سے قربانی رضائے خداوندی کے حصول کا ذریعہ ہے۔ یہ گلے کاٹنے کا ابتدائی کورس نہیں بلکہ اپنی خواہش، اپنی پسند، اپنی انا اور مرضی کو اللہ کی رضا کے لیے قربان کر دینے کا درس ہے۔ اللہ کے دو جلیل القدر پیغمبروں حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام اور حضرت اسماعیل ذبیح اللہ علیہ السلام نے اللہ کے حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا اور بلا چون و چرا اس عظیم قربانی کے لیے تیار ہو گئے۔ ان کی نظر خون کے بہنے پر تھی نہ گردن کے کٹنے پر۔ ان کا جذبہِ اطاعت ان کی عقل پر غالب تھا۔ انہیں معلوم تھا کہ جب اللہ کی رضا اس قربانی میں ہے تو یہ کوئی مہنگا سودا نہیں، جو عدم سے وجود میں لایا، جس نے صحت اور جوانی بخشی، جس نے عزت و اکرام سے نوازا، جس نے ہر نعمت سے نوازا، جو خالق بھی ہے اور مالک بھی، جس نے خود جان بخشی ہے وہی جان کا مالک اگر اس کی قربانی کا حکم دے رہا ہے تو اس میں پس و پیش کرنے کی کوئی حاجت نہیں بلکہ

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

اس لیے سب سے پہلے قربانی کے مذہبی پہلو پر غور کرنا چاہیے کہ یہ کوئی تہوار نہیں بلکہ مذہبی شعار ہے۔ جس کا مقصد رضائے خداوندی کا حصول ہے اور جو شخص مذہب سے بیزار ہے یا خدانخواستہ ملحد اور وجودِ باری تعالیٰ کا ہی سرے سے منکر ہے اس کے ساتھ اس پر بات کرنا ہی فضول ہے۔ اس کی خدمت میں ہم یہی گذارش کریں گے لکم دینکم ولی دین۔

جہاں تک قربانی کے معاشی پہلو کا تعلق ہے تو اس کا ذکر اسی مضمون میں ہو چکا ہے اور یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ اس میں غریبوں کا کس قدر بھلا ہے۔ معاشرتی اعتبار سے اگرچہ قربانی کوئی تہوار نہیں بلکہ حکمِ شرعی ہے لیکن پھر بھی اس کے بہت سے مثبت معاشرتی اثرات اور ثمرات و فوائد ہیں۔ حاشر ابنِ ارشاد کو یہ تہوار اس لیے ناپسند ہے کہ اس میں خون بہایا جاتا ہے اور ان کے خیال کے مطابق یہ گلے کاٹنے کا ابتدائی کورس ہے۔ لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ سارا سال شادیوں پر جب شادی کے شرکاء کی ضیافت کا اہتمام کیا جاتا ہے، جب رنگ بھی بکھرتے ہیں اور خوشبوئیں بھی اڑتی ہیں جب دیے ہی نہیں برقی قمقمے جلائے جاتے ہیں، جب رقص و موسیقی سے بھی جی بہلایا جاتا ہے معلوم نہیں اس خوبصورت اور صاف ستھرے ماحول میں اس تعفن کا انتظام کیوں کیا جاتا ہے؟ خون کیوں بہایا جاتا ہے، گلے کیوں کاٹے جاتے ہیں؟

مانا کہ قربانی کے اس عمل میں خون بھی بہتا ہے اور گلے بھی کٹتے ہیں لیکن اس سے یہ نتیجہ اخذ کر لینا کہ یہ گلے کاٹنے کا

ابتدائی کورس ہے یا اس میں کسی قسم کی بے رحمی ہے۔ اسے ہم نرم سے نرم الفاظ میں تعصب اور ذاتی مخاصمت کہہ سکتے ہیں۔ تعجب ہے کہ اگر اللہ کی رضا کی خاطر کسی جانور کے گلے پر چھری چلائی جائے تو یہ بے رحمی اور گلے کاٹنے کا ابتدائی کورس ہے لیکن اگر جشن کا سماں ہو، تکہ بوٹی کا اہتمام ہو، شراب و کباب کی محفلیں ہوں، رقص و موسیقی ہو صرف گلے ہی نہ کاٹے جائیں بلکہ قیمہ کر کے کباب تیار کیے جائیں تو نہ یہ بے رحمی ہے اور نہ ہی یہ گلے کاٹنے کا ابتدائی کورس ہے۔ دنیا بھر میں چکن، مٹن، بیف کھایا جاتا ہے اور ان سے طرح طرح کے پکوان بنائے جاتے ہیں۔ بڑی بڑی کمپنیاں جانورں کا خون بہا کر گلے کاٹ کر ان کے گوشت سے اپنی پراڈکٹس تیار کرتی ہیں لیکن وہ سب کچھ انسانیت کی بھلائی ہے رحم ہے اور امن کی تعلیم ہے۔

قربانی اور صرف قربانی کے متعلق ان خیالات کا اظہار کرنا اندازِ فکر کی عکاسی کر رہا ہے۔ حالانکہ رنگ، خوشبویں، خوشیاں، چراغاں، باہمی میل جول، طرح طرح کے کھانوں کا اہتمام تو اس موقع پر خوب ہوتا ہے۔ حاشر ابنِ ارشاد کو قربانی میں تو امارت و غربت کے درمیان حدِ فاصل نظر آ جاتی ہے لیکن اپنی مٹی سے جڑے تہواروں میں انہیں کوئی طبقاتی تقسیم نظر نہیں آتی جہاں ایک زمیندار ہے تو دوسرا محض اس کا مزارع ہے۔ حالانکہ قربانی کا گوشت وسیع پیانے پر تقسیم کیا جاتا ہے۔ رشتے داروں، اہلِ محلہ اور غریبوں میں بانٹا جاتا ہے۔ اگر کہیں کوئی دکھاوا یا لالچ ہے تو یہ ہمارا اپنا قصور ہے قربانی کے حکم پر کوئی اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔

حوالہ جات

۱۔ الکوثر:۲
۲۔ محمد بن جریر طبری، جامع البیان فی احکام القرآن، موسسۃ الرسالۃ، ج ۲۴، ص ۶۵۳
۳۔ ابوالفداء محمد بن اسماعیل المعروف بابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، دار طیبۃ للنشر والتوزیع، ج ۸، ص ۵۹۳
۴۔ تفسیر عثمانی، زیر آیت ہذہ، dailyayat.com
۵۔ الحج:۳۴
۶۔ ابوعبداللہ محمد بن احمد القرطبی، الجامع لاحکام القرآن، دار الکتب المصریۃ، القاھرۃ، ج ۱۲، ص ۵۸
۷۔ اسماعیل حقی، روح البیان، دار احیاء التراث العربی، ج ۶، ص ۲۳
۸۔ پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ، ضیاء القرآن، ج ۳، ص ۲۱۴
۹۔ الحج:۳۶
۱۰۔ جمال الدین عبدالرحمن بن علی بن محمد الجوزی، زاد المسیر فی علم التفسیر، ج ۴، ص ۲۸۴
۱۱۔ ابوالليث نصر بن محمد السمر قندی، بحر العلوم، ج ۳، ص ۱۶۱
۱۲۔ تفسیر القرآن العظیم، ج ۵، ص ۴۲۹
۱۳۔ الحج:۳۷ ۱۴۔ ضیاء القرآن، ج ۳، ص ۲۱۷
۱۵۔ الصافات:۱۰۷
۱۶۔ ابومحمد عبدالحق بن غالب، المحرر الوجیز، ج ۵، ص ۴۲۴

نعتِ رسولِ مقبول ﷺ

صبحِ ازل، آمادۂ فطرت نے جب بسم اللہ کیا
لوحِ وجود کو تابشِ حرفِ محمد ﷺ سے آگاہ کیا

نور و شرر پیمانۂ "کُن" کی بساطِ غرض سے دُور تھے، تب
وقت نے بے اطراف رُتوں کو پیہم صَرفِ صلاہ کیا

شاخِ تردُّد کی مرطوب نمی کو تابِ یقیں دے کر
نخلِ سَراب کو سایۂ وہم سے آپ ﷺ نے مہرِ گیاہ کیا

دستِ ہُمایوں کی دیوار کا تکیہ ساز شعار رہا
لُطف نے پیدا مایۂ جنبش بہرِ پائے نگاہ کیا

بحرِ لطافت کی پوروں سے نکلا چشمۂ آبِ حیات
کوہِ سحاب نے شرم سے اپنا چہرہ جُھکّہ کاہ کیا

راندۂ ہر درگاہ نے پایا کس سے تشخُّصِ فرد کا راز
بدخواہی کی سرد تھکن کو آپ ﷺ ہی نے دل خواہ کیا

غلام مصطفیٰ دائم

قربانی کے فضائل و مسائل

مفتی منیب الرحمٰن

قربانی سے مراد ہر وہ عمل ہے، جسے اللہ تعالیٰ کی رضا، حصول اجر وثواب اور اس کی بارگاہ کا تقرب حاصل کرنے کے لیے انجام دیا جائے۔ بطورِ خاص جانور کی قربانی کو عربی میں ''اضحیہ'' کہتے ہیں، اس کی جمع ''اضاحی'' ہے۔ قربانی کی تاریخ بھی اتنی ہی قدیم ہے، جتنی انسانی تاریخ۔ لیکن امت مسلمہ ہر سال جو قربانی کرتی ہے، یہ حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کی یادگار ہے، چنانچہ: ''حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ (ایک موقع پر) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! یہ قربانیاں کیا ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔ صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ اس میں ہمارے لیے کیا اجر ہے؟ آپ نے فرمایا: قربانی کے جانور کے ہر بال کے عوض ایک نیکی ہے، انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! اون کا کیا حکم ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: قربانی کے جانور کی اون کے ہر روئیں کے بدلے میں ایک نیکی ہے۔'' (مشکوٰۃ بحوالہ مسند امام احمد وسنن ابن ماجہ)

ایام قربانی میں قربانی ایسی نیکی ہے جس کا کوئی اور بدل نہیں ہے، چنانچہ: امّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قربانی (۱۰ تا ۱۲ ذی الحجہ) میں انسان کا کوئی بھی عمل اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قربانی کے جانور کا خون بہانے سے زیادہ محبوب نہیں ہے اور قیامت کے روز قربانی کا یہ جانور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنے سینگوں، بالوں اور کھروں سمیت حاضر ہوگا اور بلاشبہ قربانی کے جانور کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مرتبہ قبولیت کو پالیتا ہے تو اے مومنو! خوش دلی سے قربان کیا کرو۔ (مشکوٰۃ بحوالہ جامع ترمذی وسنن ابن ماجہ)

حضور انور ﷺ نے اپنی قربانی کے مواقع پر امت کو بھی یاد فرمایا، چنانچہ: ''حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے کالے رنگ کا سینگوں والا مینڈھا قربانی کے لیے منگوایا، آپ نے فرمایا: عائشہ! چھری لاؤ! پھر فرمایا: اسے پتھر پر رگڑ کر تیز کردو، میں نے آپ کے حکم کی تعمیل کی، پھر آپ نے چھری لی اور مینڈھے کو پکڑ کر پہلو کے بل لٹایا اور فرمایا: اللہ کے نام سے، اے اللہ! تو اسے محمد ﷺ، آل محمد ﷺ اور امت محمد ﷺ کی جانب سے قبول فرما، پھر آپ نے اسے ذبح کردیا۔'' (مشکوٰۃ)

ایک ہی قربانی میں پوری امت کو شریک کرنا یہ رسول اللہ ﷺ کی خصوصیت ہے کسی اور کے لیے یہ جائز نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے ایصال ثواب کے لیے قربانی کرنا یہ حضور اکرم ﷺ کے نزدیک بھی پسندیدہ امر ہے، چنانچہ: حضرت حنش رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دو مینڈھوں کی قربانی کی، میں نے عرض کیا کہ یہ آپ نے کیوں کیا؟ انہوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے مجھے وصیت فرمائی تھی کہ میں ان کی جانب سے قربانی کروں تو میں اس لیے ایسا کرتا ہوں۔ (مشکوٰۃ)

قربانی ہر صاحب نصاب بالغ مرد اور عورت پر واجب ہے، زکوٰۃ کی فرضیت کے لیے کم از کم نصاب پر پورا قمری سال گزرنا شرط ہے، جب کہ قربانی اور فطرے کے وجوب کے لیے محض نصاب کا مالک ہونا کافی ہے، سال گزرنا شرط نہیں ہے۔ قربانی کے لیے اونٹ پانچ سال، گائے، بیل اور بھینس دو سال، دنبہ، بکرا، بکری ایک سال کے ہونے چاہیں، اس سے کم عمر کے جانور کی قربانی جائز نہیں ہے۔ البتہ بھیڑ اور دنبہ اتنے فربہ ہوں کہ دیکھنے میں ایک سال کے نظر آئیں تو ان کی قربانی جائز ہے۔ قربانی کے جانوروں کی عمر پورا ہونے کی ظاہری علامت ثنی (دو دانت کا) ہونا ہے، لہٰذا کھیرا جانور یعنی جس کے سامنے دو دانت ابھی نہیں گرے یا دودھ کے دانت گرنے کے بعد نئے دانت نہیں نکلے اسے قربانی کے لیے نہیں خریدنا چاہیے۔ البتہ اگر جانور گھر کا پلا ہوا ہے اور اس کی عمر پوری ہوگئی ہے تو اس کی قربانی شرعاً جائز ہے۔ خواہ سامنے کے دو دانت ابھی نہ گرے ہوں۔ عام کاروباری لوگوں پر اعتماد بالکل نہیں کرنا چاہیے بلکہ دو دانت باقاعدہ دیکھ کر خریدنا چاہیے۔

قربانی کا جانور تمام عیوب فاحشہ سے سلامت ہونا چاہیے۔ اس سلسلے میں فقہاءِ کرام نے یہ ضابطہ بیان کیا ہے کہ ہر وہ عیب جو کسی منفعت کو بالکل زائل کردے یا جمال کو بالکل ضائع کردے، اس کا شمار عیوب فاحشہ میں ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے قربانی جائز نہیں ہے اور جو عیب اس سے کم تر درجے کا ہو، اس کی وجہ سے قربانی ممنوع نہیں ہوتی۔ جو جانور اندھا، کانا یا لنگڑا ہو یا بہت بیمار اور لاغر ہو یا جس کا کوئی کان، دم یا چکتی تہائی سے زیادہ کٹے ہوئے ہوں یا پیدائشی کان نہ ہوں یا ناک کٹی ہو یا دانت نہ ہوں یا بکری کا ایک تھن یا گائے بھینس کے دو تھن خشک ہوں، ان سب جانوروں کی قربانی جائز نہیں ہے۔ جس جانور کے پیدائشی سینگ نہ ہوں یا سینگ اوپر سے ٹوٹا ہوا ہے، کان، چکتی یا دم ایک تہائی یا اس سے کم کٹے ہوئے ہیں تو ایسے جانوروں کی قربانی جائز ہے۔ صاحب نصاب نے عیب دار جانور خریدا، یا خریدتے وقت بے عیب تھا بعد میں عیب دار ہوگیا تو ان دونوں صورتوں میں اس کے لیے ایسے جانور کی قربانی جائز نہیں، دوسرا بے عیب جانور خریدے اور قربانی کرے اور اگر خدانخواستہ ایسا شخص صاحب نصاب نہیں ہے تو دونوں صورتوں میں اس جانور کی قربانی کرسکتا ہے۔

خصی جانور کی قربانی آنڈو کے بہ نسبت افضل ہے کیونکہ اس کا گوشت لذیذ ہوتا ہے۔ اگر گائے کے ساتویں حصے کی قیمت بکری سے زیادہ ہو تو وہ افضل ہے اور اگر قیمتیں برابر ہوں تو بکری کی قربانی افضل ہے، کیونکہ بکری کا گوشت زیادہ لذیذ ہوتا ہے۔

بکرا، بکری، بھیڑ، دنبے کی قربانی صرف ایک فرد کی طرف سے ہوسکتی ہے۔ اونٹ، گائے وغیرہ میں زیادہ سے زیادہ سات افراد شریک ہوسکتے ہیں۔ شرط یہ ہے کہ سب کی نیت تقرب یعنی عبادت اور حصول اجر و ثواب کی ہو۔ سات سے کم افراد بھی ایک گائے کی قربانی میں برابر کے حصے دار ہوسکتے ہیں۔ مثلاً چھ یا پانچ یا چار یا تین یا دو حتیٰ کہ ایک آدمی بھی پوری گائے کی قربانی کرسکتا ہے، سات حصے داروں کا ہونا ضروری نہیں ہے۔ سات افراد نے مل کر قربانی کا جانور خریدا، بعد ازاں قربانی سے پہلے ایک حصے دار کا انتقال ہوگیا۔ اگر مرحوم کے سب ورثاء باہمی رضامندی سے یا کوئی ایک وارث یا چند اپنے حصے وراثت میں سے اجازت دے دیں تو استحساناً اس کی قربانی ہوجائے گی۔

فوت شدہ والدین اور قرابت داروں کے لیے ایصال ثواب کی نیت سے قربانی کی جاسکتی ہے۔ اپنی واجب قربانی ادا

کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ توفیق دے تو رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس کے لیے ایصال ثواب کی نیت سے قربانی کرنا افضل ہے، کرنے والے کو بھی ثواب ملے گا اور حضور انور ﷺ کی نسبت سے اس کی قبولیت کا بھی یقین ہے۔ شریعت کی رو سے ہر عاقل و بالغ اللہ کی بارگاہ میں اپنے عمل کے لیے جوابدہ ہے۔ لہٰذا ایک مشترکہ خاندان میں اگر ایک سے زیادہ افراد صاحب نصاب ہیں تو سب پر فرداً فرداً قربانی واجب ہے، محض ایک قربانی سب کے لیے کافی نہیں ہوگی بلکہ تعیّن کے بغیر ادا ہی نہیں ہوگی۔

قربانی کی گائے میں عقیقہ کا حصّہ ڈال سکتے ہیں، بہتر یہ ہے کہ لڑکے کے لیے دو حصے ہوں اور لڑکی کے لیے ایک حصہ، اگر دو حصوں کی استطاعت نہ ہو تو لڑکے کے لیے ایک حصہ بھی ڈالا جا سکتا ہے۔

افضل یہ ہے کہ قربانی کے گوشت کے تین حصے کیے جائیں، ایک حصہ ذاتی استعمال کے لیے، ایک حصہ اعزاء و قرباء اور احباب کے لیے اور ایک حصّہ فقراء اور ناداروں پر صرف کیا جائے۔ سارا گوشت رضا الٰہی کے لیے مستحقین کو دے دینا عزیمت اور اعلیٰ درجے کی نیکی ہے اور اگر خود زیادہ ضرورت مند ہے تو کل یا اکثر گوشت ذاتی استعمال میں لانے کی رخصت و اجازت ہے، لیکن یہ روح قربانی کے منافی ہے۔

نوٹ: شریعت کے مطابق ذبح کیے ہوئے حلال جانور کے مندرجہ ذیل اعضاء کھانے منع ہیں: دم مسفوح (ذبح کے وقت بہنے والا خون) ذکر یعنی آلہ تناسل، گائے، بکری، بھینس اونٹنی کے پیشاب کی جگہ (فرج)، خصیتیں (کپورے) مثانہ، دبر (جانور کے پاخانے کی جگہ) حرام مغز، اوجھڑی اور آنتیں۔ ان میں سے دم مسفوح حرام قطعی ہے اور باقی مکروہ تحریمی ہیں۔

قربانی کا وقت ۱۰ ذی الحجہ کی صبح صادق سے لے کر ۱۲ ذی الحجہ کے غروب آفتاب تک ہے، گیارہویں اور بارہویں شب میں بھی قربانی ہو سکتی ہے مگر رات کو ذبح کرنا مکروہ ہے۔ ایسے شہر اور قصبات جہاں عید کی نماز پڑھی جاتی ہے، وہاں نماز عید سے پہلے قربانی جائز نہیں ہے۔

قربانی کے جانور نے ذبح سے پہلے بچہ دے دیا، یا ذبح کرنے کے بعد پیٹ سے زندہ بچہ نکلا، دونوں صورتوں میں یا اسے بھی قربانی کر دیں، یا زندہ صدقہ کر دیں یا فروخت کر کے قیمت صدقہ کر دیں، اگر بچہ مردہ نکلے تو اسے پھینک دیں، قربانی ہو جائے گی۔

ذبح کا طریقہ

ذبح کرتے وقت جانور کو بائیں پہلو پر قبلہ رو لٹائیں اور خود ذبح کریں یا کسی سے ذبح کرائیں، چھری تیز ہو اور کم از کم تین رگیں کاٹنی چاہییں۔

ذبح سے پہلے کی دعا

اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّ مَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ۔ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُكِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔ لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَ بِذَالِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا

مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ۔ اَللّٰھُمَّ لَکَ وَمِنْکَ پھر بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰہُ اَکْبَرُ پڑھ کر چھری پھیر دیں۔

ذبح کے بعد کی دعا

اَللّٰھُمَّ تَقَبَّلْ مِنِّیْ کَمَا تَقَبَّلْتَ مِنْ خَلِیْلِکَ اِبْرَاھِیْمَ عَلَیْہِ السَّلَامُ وَحَبِیْبِکَ مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ
اگر دوسرے کی طرف سے ہوتو مِنّی کے بجائے من فلان کہیں یعنی اس شخص کا نام لیں۔ گائے وغیرہ بڑا جانور ہے تو تمام شرکاء کے نام لیں۔

قربانی کی کھالیں

قربانی کے جانور کی کھال قصاب کو اجرت میں دینا جائز نہیں ہے۔ کھال بیچ کر اس کی قیمت صدقہ کر دینی چاہیے۔ کسی نادار شخص کو شخصی طور پر بھی دی جا سکتی ہے لیکن دینی اداروں کو دینا افضل ہے کیونکہ یہ تبلیغ و اشاعت دین کے کام میں اعانت بھی ہے اور صدقہ جاریہ بھی۔

عقیقہ کی دعا: لڑکے کے لیے لیے

اَللّٰھُمَّ ھٰذِہٖ عَقِیْقَۃُ فُلَانِ بْنِ فُلَانٍ۔ دَمُھَا بِدَمِہٖ وَلَحْمُھَا بِلَحْمِہٖ وَ عَظْمِہٖ وَجِلْدُھَا بِجِلْدِہٖ وَشَعْرُھَا بِشَعْرِہٖ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْھَا فِدَاءً لَّہٗ مِنَ النَّارِ بِسْمِ اللّٰہِ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔

لڑکی کے لیے

اَللّٰھُمَّ ھٰذِہٖ عَقِیْقَۃُ فُلَانَۃِ بِنْتِ فُلَانٍ۔ دَمُھَا بِدَمِھَا وَلَحْمُھَا بِلَحْمِھَا وَ عَظْمِھَا وَجِلْدُھَا بِجِلْدِھَا وَشَعْرُھَا بِشَعْرِھَا اَللّٰھُمَّ اجْعَلْھَا فِدَاءً لَّھَا مِنَ النَّارِ بِسْمِ اللّٰہِ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔
اے اللہ! یہ فلاں بن فلاں (فلانہ بنت فلاں) کا عقیقہ ہے اس کی جان کو اس کی جان کے بدلے میں، اس کے گوشت کو اس کے گوشت کے بدلے میں، اس کی ہڈیوں کو اس کی ہڈیوں کے بدلے میں، اس کی جلد اس کی جلد کے بدلے میں، اس کے بال اس کے بالوں کے بدلے میں (صدقہ ہیں)، اے اللہ تو (از راہ کرم) اس عقیقے کی برکت سے اس بچے کو نار جہنم سے محفوظ فرما۔ (اور اسے ہر قسم کی آفات سے سلامتی عطا فرما۔)
(نوٹ: فلاں اور فلانہ کی جگہ لڑکے، لڑکی کا نام اور اس کے والد کا نام لیں۔)

تکبیرات تشریق

نویں ذی الحجہ کی فجر سے تیرہویں ذی الحجہ کی عصر تک ہر نماز با جماعت کے بعد ایک مرتبہ بلند آواز سے یہ تکبیر کہنا واجب ہے اور تین مرتبہ کہنا افضل ہے۔ عیدگاہ آتے اور جاتے بھی با آواز بلند یہ تکبیر کہنا چاہیے۔
اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ۔

خصوصی مقالہ

قومی ترقی وسلامتی کے لیے میثاقِ معیشت: ممکنہ اقدامات

محمد اسلم الوری

موجودہ معاشی بحران اور تیزی سے بڑھتے سماجی بگاڑ سے نمٹنے کے لئے قومی سلامتی کمیٹی کا اجلاس بلا کر جس میں حزب اختلاف کی جماعتیں بھی شامل ہوں، میثاق معیشت وقومی ترقی وسلامتی مرتب کیا جائے۔ تمام سیاسی جماعتوں کے قائدین، مسلح افواج کے سربراہ، عدالت عظمیٰ وعدالت عالیہ کے جج صاحبان اور تمام وفاقی وصوبائی وزارتوں کے وزیر اور سیکریٹریز اس میثاق کے ذریعے دل وجان سے اللہ اور اس کے رسول مکرم ﷺ کو گواہ بنا کر اکابرین تحریک پاکستان کے افکار، قرارداد مقاصد اور اسلامی جمہوریہ پاکستان کے دستور کی روح کے مطابق وطن عزیز کی بقا وسلامتی اور تعمیر وترقی کے لئے ضروری اقدامات پر من وعن عمل کرنے کا حلف اٹھائیں۔

اس میثاق میں درج ذیل تجاویز وآرا کے علاوہ مزید غور وخوض اور ماہرین سے مشاورت کے بعد اس سے بہتر اقدامات شامل کئے جاسکتے ہیں:

۱۔ ہمارے سیاسی سماجی معاشی اور اخلاقی بحران کی جڑیں مروجہ سیاسی ومعاشی ڈھانچے میں پیوستہ ہیں جس کو قرارداد مقاصد اور آئین پاکستان کے بنیادی اصولوں کے مطابق از سر نو تشکیل دیے بغیر عوامی حاکمیت اور ایک آزاد وخود مختار اسلامی فلاحی ریاست کے قیام کا دیرینہ خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہوسکتا۔

موجودہ انتخابی نظام عوام دشمن اور مافیاز دوست ہے۔ یہ ہر دور میں برسر اقتدار اور قومی وسائل پر قابض نادیدہ معمولی اقلیت نے داخلی کارندوں اور بیرونی آقاوں کے تعاون، بکاو میڈیا کی مدد اور حرام کی کمائی سے جمہوریت کے نام پر انتخابی ڈھونگ رچا کر اپنے اقتدار واختیار کو دوام بخشنے کے لئے وضع کیا ہے۔ اس لئے قومی تعمیر وترقی کے لئے آئندہ انتخابات سے قبل حقیقی مردم شماری اور ایسی انتخابی اصلاحات ناگزیر ہیں جن کے ذریعہ بدکردار، نااہل اور اسٹیٹس کو کے محافظ کرپٹ امیدواروں کا راستہ بند کر کے غریب ومتوسط، اہل وباصلاحیت، تعلیم یافتہ اور باکردار اور نظریہ پاکستان اور تعمیر وطن کے جذبہ سے سرشار عوام کے حقیقی نمائندوں کے چناؤ کے امکانات پیدا ہوسکیں۔ ماضی میں سیاسی بنیادوں پر معاف کرائے گئے تمام زرعی وصنعتی قرضوں کی تفصیلات پارلیمان میں پیش کر کے عوام الناس کے علم میں لائی جائیں اور ایسے تمام قرضے واپس لے کر قومی خزانے میں جمع کرائے جائیں۔

۲۔ تقریباً ایک کھرب روپے مالیت کے قلعہ نما محلات اور پرتعیش فارم ہاوسز کے مالکان سالانہ صرف ۶/ارب روپے یعنی ایک فیصد سے بھی کم جائیداد ٹیکس ادا کرتے ہیں جب کہ قومی وسائل سے اس سے کئی گنا زیادہ ترقیاتی اور غیر ترقیاتی

اخراجات ان کی رہائش گاہوں تک سرکاری خزانے سے پانی، بجلی، گیس، سڑکیں اور سیکورٹی پر خرچ کئے جاتے ہیں۔ اس لئے ان مراعات یافتہ افراد کی جائیدادوں پر کم از کم ان کی بازاری مالیت کا ۱۰ ارفی صد سالانہ پراپرٹی ٹیکس عائد کیا جائے۔

۳۔ ملک کی بہترین پیداواری زرعی اراضی پر فقط ۲ر فیصد جاگیرداروں کا قبضہ ہے جن کی سالانہ خالص زرعی آمدن ۸۰۰ر ارب سے زائد ہے۔ ہر قسم کے محصولات سے آزاد یہ وہ آمدن ہے جو قومی تعمیر و ترقی کی بجائے تعیشات، بیرون ملک سیر و تفریح، جائیدادوں کی خریداری، انتخابات میں ووٹوں کی خریداری،، سول و عسکری نوکر شاہی کے ذریعے رعایا کو اپنا مطیع و فرمانبردار رکھنے، سمگلنگ اور رشوت و بدعنوانی جیسے غیر ضروری اور غیر پیداواری مصارف میں استعمال ہوتی ہے۔ اس لئے اس مراعات یافتہ طبقے کو ٹیکس نیٹ میں لانے کے لئے ایک حد سے زائد زرعی آمدن پر کم از کم ۱۰ ارفی صد زرعی آمدن ٹیکس عائد کیا جائے۔

۴۔ ممتاز ماہر معاشیات ڈاکٹر حفیظ پاشا نے بتایا ہے کہ صرف پیٹرا اور شوگر انڈسٹری کو قومی خزانے سے ۲۲۰۰ر ارب کی سبسڈی دی جا رہی ہے۔ ان مراعات پر نظر ثانی کر کے مہنگائی کے بوجھ تلے دبے عوام الناس کی تکالیف کم کی جائیں۔

۵۔ بیرون ملک پاکستانیوں کی طرف سے ۵ر سالہ استعمال شدہ گاڑیوں کی درآمد پر پابندی ختم کی جائے کیونکہ اس پر زر مبادلہ ملک کے اندر آتا ہے اور مارکیٹ میں صارفین کو ٹیوٹا سوزوکی وغیرہ کی اجارہ داری اور استحصال سے نجات مل سکتی ہے۔

۶۔ لگژری گاڑیوں کی درآمد پر پابندی عائد کر کے ان کے استعمال پر بھاری ٹیکس عائد کیا جائے۔ اندرون ملک موٹر سازی کی صنعت کو فروغ دینے کے لئے ملکی صنعت کاروں کو ان کو گاڑیوں کے پرزہ جات اندرون ملک تیار کرنے، عالمی منڈی میں مقابلہ کرنے اور عوام کو معیاری مصنوعات فراہم کرنے کا پابند کیا جائے تا کہ خام مال اور پرزہ جات کی درآمد پر قیمتی زر مبادلہ کی بچت ہو سکے اور عوام کو سستے داموں معیاری گاڑیاں میسر آسکیں۔

۷۔ عدالتی افسران، ایف بی آر اور سیکورٹی ایجنسیوں کے ملازمین، نوکر شاہی اور بریگیڈیر سے اوپر کے تمام ریٹائرڈ اور حاضر ڈیوٹی افسران اور ان کے اہل خانہ کی طرف سے دوران ملازمت بنائے یا حاصل کئے گئے اثاثوں کی تفصیلات مع ذرائع آمدن عوام الناس کی اطلاع کے لئے مشتہر کئے جائیں۔

۸۔ ڈاکٹر عشرت حسین کی سربراہی میں قائم کردہ انتظامی اصلاحات کمیشن کی رپورٹ کو مشتہر کر کے ملکی ماہرین کے مشاورت کے بعد اسے فوری طور پر عملی جامہ پہنایا جائے۔

۹۔ اٹھارویں ترمیم کے تحت وفاقی محصولات سے صوبوں کو وسائل دینے کے فارمولے پر نظر ثانی کی جائے۔ صوبوں کو دئے جانے والے وسائل کو ذمہ داریوں اور صحت و تعلیم کی قومی پالیسیوں پر عمل درآمد سے مشروط کیا جائے تا کہ وفاق کے اخراجات کم کئے جا سکیں اور قومی اتحاد و یک جہتی کو فروغ مل سکے۔ ارکان پارلیمان کو ترقیاتی اسکیموں کے نام پر قومی خزانے سے ترقیاتی فنڈ زدینے پر پابندی عائد کی جائے۔

۱۰۔ عدالت عظمیٰ کے فیصلہ کی روشنی میں قومی زبان اردو کو دستور پاکستان کی دفعہ ۲۵۱ بی کی روح کے عین مطابق فی الفور

بلا تاخیر اور پوری قوت کے ساتھ نافذ کیا جائے۔ اس کے مطابق اردو کو فوری طور پر دفتری زبان کے طور پر رائج کرنے، ذریعہ تعلیم بنانے، سول وعسکری شعبوں سمیت تمام ملازمتوں کے امتحانات قومی زبان میں دینے اور عدالتی زبان بنانے کے احکامات جاری کئے جائیں۔

۱۱۔ مروجہ انگریزی بنیاد فرسودہ، بے سمت اور بے مصرف طبقاتی نظام تعلیم فوری طور پر ختم کر کے پورے ملک میں قومی زبان میں نظریہ پاکستان کی روشنی میں ایک با مقصد، قومی ضروریات اور عصری تقاضوں سے ہم آہنگ یکساں معیاری نصاب ونظام تعلیم نافذ کیا جائے۔

۱۲۔ عوام کو عدل وانصاف کی فراہمی، قانون کی حکمرانی اور امن عامہ کو یقینی بنانے کے لئے ماضی میں مختلف کمیشنوں کی جانب سے پیش کی گئی تجاویز وآرا کا جائزہ لے کر خلوص نیت کے ساتھ اور ہر قسم کے ذاتی وگروہی مفادات سے بالاتر ہو کر نئی قانون سازی اور ٹھوس انتظامی وادارہ جاتی اقدامات کئے جائیں۔

۱۳۔ شریعت کورٹ کے حالیہ فیصلہ کی روشنی میں ملک میں بلاسود معیشت کی تشکیل کے لئے پانچ سال کا انتظار کئے بغیر فوری طور پر ماہرین پر مشتمل مجالس کا تشکیل دی جائیں اور عملی اقدامات کا سلسلہ شروع کیا جائے

۱۴۔ ملک میں موسمیاتی تبدیلیوں، درختوں کی کٹائی، بے لگام تعمیراتی صنعت اور اشرافیہ کے پر تعیش طرز زندگی کی وجہ سے آبی ذخائر تیزی سے خشک ہو رہے ہیں۔ حکمرانوں کی ناقص منصوبہ بندی اور قوم دشمن پالیسیوں کی وجہ سے مستقبل قریب میں ہمیں گھریلو اور زرعی مقاصد کے لئے پانی کی قلت اور پیداواری اغراض کے لئے توانائی کے شدید بحران کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ان خطرات سے نبٹنے کے لئے فوری طور پر چھوٹے ڈیموں اور نئے آبی ذخائر کی تعمیر اور توانائی کے متبادل ذرائع کو ترقی دینے کی اشد ضرورت ہے۔

۱۵۔ قومی اور تزویراتی اہمیت کے حامل مخصوص سائنسی وتکنیکی مضامین کے علاوہ بیرون ملک تعلیم حاصل کرنے پر فوری پابندی عائد کی جائے اور متبادل کے طور پر بیرون ملک سے پاکستانی نژاد یا غیر ملکی ماہرین کی خدمات حاصل کر کے قومی نجی وسرکاری جامعات کی تدریسی استعداد اور تعلیمی معیار میں اضافہ کیا جائے۔ اس طرح معیاری جامعات کے قیام سے نا صرف تعلیم وتدریس کا معیار بہتر ہوگا بلکہ ماضی کی طرح ترقی پذیر ممالک کے طلبا کو معیاری تعلیم و تربیت دے کر ہم اپنے زرمبادلہ کے ذخائر اور تدریسی عملہ کی آمدن میں بھی اضافہ کر سکتے ہیں۔

۱۶۔ زرعی وسائنسی تحقیق کے اداروں، جامعات اور پیشہ ورانہ تعلیم وتربیت کے اداروں سے کرپشن، اقربا پروری، برادری ازم اور غیر معیاری، غیر ضروری اور فرسودہ تحقیقی سرگرمیوں کا خاتمہ کر کے فوری اور قومی اہمیت کے مسائل پر بنیادی اور اطلاقی تحقیق کو رواج دیا جائے۔

۱۷۔ سافٹ ویئر سازی کے شعبہ میں عالمی منڈی میں معیاری خدمات کی فراہمی کے ذریعہ زرمبادلہ کمانے کے بے پناہ مواقع موجود ہیں۔ لیکن اس شعبہ پر بھی بھارتی ماہرین کی اجارہ داری ہے۔ اس مسابقتی فضا میں سافٹ ویئر کو

صنعت کا درجہ اور وسائل مہیا کر کے کم از کم ۱۵ارارب ڈالر سالانہ زر مبادلہ کمایا جا سکتا ہے۔اس مقصد کے حصول کے لئے اطلاعاتی ٹیکنالوجی کے شعبہ کو ہر ممکن وسائل اور سہولیات فراہم کی جائیں اور حال ہی میں آن لائن خدمات سے حاصل ہونے والی آمدنی پر لگایا جانے والا مجوزہ محصول ختم کیا جائے۔

۱۸۔ سرکاری محکموں میں نائب قاصد، ڈرائیور، خاکروب، مالی، اسٹینو ٹائپسٹ، سپرنٹنڈنٹ اور افسران وغیرہ کی غیر ضروری اسامیاں کم اور پھر رفتہ رفتہ ختم کر کے فنی و تکنیکی اور تجارت و کاروبار کی تربیت کو عام کر کے نجی شعبہ میں روزگار کے بہتر مواقع پیدا کئے جائیں۔

۱۹۔ ڈیجیٹل ثقافت کے فروغ اور ایندھن، بجلی اور دیگر مصارف کم کرنے کے لئے سرکاری و نجی دفاتر میں جہاں تک ممکن ہو گھر سے آن لائن کام کرنے کا نظام متعارف کرایا جائے۔اس مقصد کے لئے کمپیوٹری سہولیات اور انٹرنیٹ سروس کی ہمہ وقت فراہمی کو یقینی بنایا جائے

۲۰۔ کمپیوٹری سہولیات کے استعمال میں مہارت نہ رکھنے والے اساتذہ، ملازمین، نوکر شاہی کے افسران کو اپنی استعداد میں اضافہ کے لئے تین ماہ کا نوٹس دے کر کمپیوٹری سہولیات کے استعمال میں مہارت و استعداد پیدا کرنے کی ہدایت کی جائے اور بصورت دیگر انہیں ملازمت سے جبری طور پر سبکدوش کر کے ان کی جگہ کم تعداد میں نوجوان اور بہتر استعداد کے حامل افراد کو بھرتی کیا جائے تا کہ افرادی قوت کی مجموعی استعداد کار اور کارکردگی کا معیار بہتر بنایا جا سکے۔

۲۱۔ ریٹائرڈ ملازمین کی صلاحیتوں کو رضا کارانہ بنیادوں پر تعلیمی و سماجی شعبہ میں بروئے کار لانے کے لئے قوانین اور طریق کار وضع کئے جائیں تا کہ رضا کارانہ یا انتہائی کم معاوضہ پر سماجی خدمات انجام دینے پر آمادہ لاکھوں پنشنرز کی صلاحیتوں سے قومی تعمیر و ترقی کے عمل میں استفادہ کیا جا سکے۔

۲۲۔ تمام ٹی وی چینلز کو پچاس فی صد ٹائم تعلیمی و سماجی موضوعات اور مسائل کی تفہیم اور ان کے پائیدار حل کی تلاش کے لئے مختص کرنے کا پابند کیا جائے۔سرکاری اداروں، کارپوریشنوں اور قومی خزانے سے پلنے والے تعلیمی، سماجی، معاشی اور طبی اداروں کے سربراہوں کو ہر تین ماہ بعد ذرائع ابلاغ پر متعلقہ شعبہ سے تعلق رکھنے والے ماہرین پر مشتمل پینل کے سامنے پیش ہو کر اپنی کارکردگی، مسائل اور ان کے قابل عمل حل پیش کرنے کی ہدایت کی جائے۔

۲۳۔ ذرائع ابلاغ کے لئے ضابطہ اخلاق مرتب کر کے اس پر سختی سے عمل درآمد کرایا جائے۔مقامی سطح پر ہونے والے جنسی جرائم اور قتل و غارت کی خبروں کو قومی نشریاتی رابطے پر نشر کرنے پر پابندی عائد کی جائے۔جرائم کو خوشنما اور مجرموں کو ہیرو بنا کر دکھانے والے ٹی وی پروگراموں اور ڈراموں پر پابندی عائد کی جائے۔

۲۴۔ حدود آرڈیننس اور دیگر عائلی قوانین کو اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات کی روشنی میں از سر نو مرتب کیا جائے اور مختلف معاملات میں کونسل کی طرف سے حکومت کو دی گئی سفارشات پر عمل درآمد کو یقینی بنایا جائے۔

۲۵۔ صوبائی دار الحکومت اور بڑے شہروں میں خواتین ملازمین اور طالبات کے لئے موزوں مقامات پر محفوظ اور معیاری

سہولیات سے آراستہ سرکاری رہائشی سہولیات اور اقامت گاہیں تعمیر کی جائیں۔

۲۶۔ زرعی زمینوں پر رہائشی کالونیاں تعمیر کرنے پر فوری پابندی عائد کی جائے۔ زیر غور درخواستیں مسترد کر کے ڈی ایچ اے، بحریہ ٹاون اور دیگر بلڈرز کو غیر آباد اراضی کو تاحکم ثانی وسیع پیمانے اور اپنے خرچہ پر شجر کاری، سبزیوں کی کاشت اور دیگر زرعی مقاصد کے لئے بروئے کار لانے کا پابند کیا جائے۔

۲۷۔ دیہات میں ہر خاندان کو ۵ من تک اناج ذخیرہ کرنے کے لئے سرکاری طور پر احساس پروگرام یا دیگر کسی ذرائع سے جستی بھڑولوں اور گھر میں آٹا پیسنے کی سولر سے چلنے والی چکی کی سہولت فراہم کی جائے تا کہ ان کی استعداد میں اضافہ ہو، بے روزگار خواتین اور افراد ذرا سی مشقت کر کے اپنے لئے سستے داموں آٹا حاصل کر سکیں اور اگر وہ چاہیں تو چکی کی مدد سے اناج پیس کر مارکیٹ میں دلیہ، دالیں، بیسن، مکئی، باجرہ اور خالص آٹا فروخت کر کے اپنی آمدن میں اضافہ کر سکیں۔

۲۸۔ گھوڑی پال اسکیم کی طرز پر ایک باقاعدہ منصوبہ اور فول پروف نظام کے تحت ڈیری صنعت کے فروغ کے لئے دیہی علاقوں میں حیوانات کے علاج معالجہ اور دیگر افزائشی سہولیات سے آراستہ مخصوص مقامات پر گائے بھینس اور دیگر دودھ دینے والے جانور تقسیم کئے جائیں

۲۹۔ تمام بینکوں کو پابند کیا جائے کہ وہ اپنے ڈپازٹس کا کم از کم ۴۰ فی صد ۵ فی صد شرح منافع اور آسان شرائط پر قابل عمل اور منافع بخش ترقیاتی منصوبوں، گھروں کی تعمیر، گھریلو صنعتوں اور کاروباری مقاصد کے لئے مختص کریں۔ بینکوں کو اس امر کا بھی پابند بنایا جائے کہ وہ ترقیاتی منصوبوں کی تشکیل و تنفیذ اور نگرانی و جائزہ کی استعداد پیدا کرنے کے لئے اپنے اسٹاف کو مطلوبہ خطوط پر پیشہ وارانہ تربیت دلوائیں تا کہ ملک میں ترقیاتی عمل شروع ہو سکے۔

۳۰۔ اندرون ملک زیتون، کینولا اور ساحلی پٹی پر پام آئل کی کاشت کو فروغ دیا جائے۔ عالمی مارکیٹ میں پام آئل کی قیمتوں میں کمی کا رجحان پایا جاتا ہے۔ اس لئے ان مواقع سے فائدہ اٹھایا جائے۔ خوردنی تیل کمپنیوں کو اشتہار بازی اور اپنا روایتی اور غیر معمولی منافع کم کر کے صارفین کو رعائت دینے کی ترغیب دی جائے۔

۳۱۔ ذرائع ابلاغ پر غیر ملکی خوردنی مصنوعات اور خوردنی تیل کی کھپت بڑھانے والے پکوان کے تمام پروگراموں پر پابندی لگا کر خوردنی تیل کے درآمدی بل پر قابو پایا جائے۔ متبادل پیداوار کے لئے زیتون، سورج مکھی، تل، السی، بنولہ، کینولا اور دیگر تیل دار فصلوں کی کاشت کے لئے کسانوں کو معیاری بیج، کھادیں، بروقت پانی، تکنیکی رہنمائی، امدادی قیمت، بلا سود قرضے جیسی سہولیات اور دیگر ترغیبات دی جائیں۔

۳۲۔ بیرون ملک سے سبزیوں پھلوں دودھ گوشت کی درآمد بند کر کے اندرون ملک ان اشیاء کی پیداوار میں اضافہ، محفوظ ذخیرہ کاری اور منڈی میں خرید و فروخت اور طلب و رسد کے نظام اور ویلیو چین کی اصلاح کے لئے ٹھوس اقدامات کئے جائیں۔

۳۳۔ ایک تحقیقی جائزہ کے مطابق ہمارے ملک میں جدید سہولیات کے فقدان کے باعث ۳۰ سے ۴۰ فی صد زرعی پیداوار یعنی پھل، پھول، سبزیاں، دودھ، مکھن، پنیر اور فصلات کٹائی یا برداشت کے دوران ضائع ہو جاتی ہے۔ حکومت

محفوظ ذخیرہ کاری اور جدید برداشتی سہولیات اور طریقوں کو متعارف کروا کر ان نقصانات کو کم کر کے ملک کی کل مجموعی پیداوار میں گراں قدر اضافہ کر سکتی ہے۔

۳۴۔ غذائی تحفظ اور قابل برآمد زائد از ضرورت فاضل پیداوار ہی اس وقت ہماری قومی سلامتی کی ضامن ہے۔اس لئے ضلعی سطح پر قریبی زرعی کالج یا یونیورسٹی کے تعاون و اشتراک سے مقامی وسائل و ضروریات، افرادی قوت، آب و ہوا، پانی کی دستیابی وغیرہ کی روشنی میں ہر سال زرعی و صنعتی پیداوار کی منصوبہ بندی کی جائے تاکہ ہر تحصیل و ضلع کو پیداواری اہداف کے مطابق غذائی خود کفالت کے قابل کیا جائے۔اس کے لئے سوچ بچار کے بعد باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت زرعی و صنعتی زون قائم کئے جائیں۔

۳۵۔ ہر صوبہ میں نئے انتظامی یونٹ قائم کئے جائیں اور صوبوں سے وسائل و اختیارات فوری طور پر مقامی حکومتوں کو منتقل کئے جائیں۔مقامی اسٹیک ہولڈرز، ایوان ہائے زراعت، صنعت و تجارت اور ماہرین کی مشاورت سے منصوبہ بندی کے بعد ہر ضلع میں سوفی صد خواندگی، کمپیوٹر لٹریسی، گھریلو صنعتوں کے فروغ کے لئے پیشہ ورانہ تربیت اور تعلیمی و تربیتی نصابات اور سرگرمیوں کو مقامی پیداواری منصوبوں اور افرادی قوت کی طلب اور کاروباری و سماجی ضروریات سے ہم آہنگ کیا جائے۔

۳۶۔ ملک میں بنیادی حقوق اور شہری ذمہ داریوں کے بارے سماجی شعور کے فروغ کے لئے وارڈ، محلّہ، یونین کونسل کی سطح پر علما کرام، اساتذہ، ریٹائرڈ ملازمین اور نوجوانوں پر مشتمل فعال و پُرعزم مجالس تشکیل دی جائیں جو نجی و سرکاری اسکولوں مساجد و مدارس یا دیگر دستیاب مکانی سہولیات کا مؤثر استعمال کرتے ہوئے عوام الناس کی ذہنی تربیت، کردار سازی اور انہیں معاشرے کا ذمہ دار فرد بنانے کے لئے اپنا کردار ادا کریں۔

۳۷۔ تعلیمی اداروں میں ریٹائرڈ فوجیوں اور افسران کی مدد سے نیشنل کیڈٹ اسکیم اور عوام میں قومی رضاکار تنظیم کو دوبارہ بحال کیا جائے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو خود حفاظت اور ہنگامی صورت حال سے نبرد آزما ہونے کی تربیت دی جاسکے۔

۳۸۔ دیہات اور شہر سے متصل نواحی علاقوں میں رہنے والے دیسی مرغیاں، گائے، بھینس، بھیڑ، بکریاں پال کر یا پھل پھول اور موسمی سبزیاں اگا کر گھریلو دستکاری یا کوئی ہنر اپنا کر اپنی ماہانہ گھریلو آمدن میں معقول اضافہ کر سکتے ہیں۔

۳۹۔ قومی سیاسی جماعتیں، سماجی رہنما اور امراء پر تعیش طرز زندگی ترک کر کے عام زندگی میں سادگی اپنائیں تاکہ عوام الناس بھی ان کی تقلید کرتے ہوئے اپنی معاشی حالت کو بہتر کر سکیں۔

۴۰۔ ملک سے جہالت کے خاتمہ کے لئے دینی و سماجی رضاکاروں کی مدد سے ہنگامی بنیادوں پر قرآن خواندگی کی تحریک برپا کی جائے جس میں خواتین بچوں اور بالغ افراد کو قرآن پاک ناظرہ کے ساتھ حروف شناسی، اعداد شناسی، صحت و صفائی اور حفظان صحت، سماجی ذمہ داریوں، ماحولیاتی مسائل اور اعلیٰ اوصاف و اخلاق سے متعلق ضروری معلومات

اور تربیت فراہم کی جائیں۔

۴۱۔ دعوت اسلامی اور تبلیغی جماعت، ریٹائرڈ و حاضر ڈیوٹی سرکاری ملازمین اور ایوان ہائے صنعت و تجارت کے تعاون سے ملک بھر کے شہروں، شاہراہوں، داخلی راستوں، اور گزرگاہوں اور خاص طور پر تمام موٹر ویز کے اطراف میں سایہ دار اور پھلدار درخت لگائیں اور ان کی دیکھ بھال اور تحفظ کے لئے باغبانی کی تربیت کو عام کیا جائے اور ہر سال قومی سطح پر بھرپور شجر کاری مہم چلائی جائے۔

۴۲۔ ملک میں سماجی خدمات اور باہمی تعاون واشتراک کے کلچر کو عام کرنے کے لئے سرکاری ملازمت، کسی بھی درجہ کے انتخابات میں حصہ لینے، میٹرک اور کسی بھی تعلیمی درجہ کی سند وڈگری کے حصول کے لئے کم از کم چھ ماہ تک کسی معروف اور منظور شدہ سماجی ادارے یا تنظیم کے ساتھ سماجی خدمات انجام دینے کو لازمی شرط قرار دیا جائے۔ اس کے لیے رجسٹریشن، تربیت اور سرٹیفکیشن کا باقاعدہ طریق کار وضع کیا جائے۔

۴۳۔ تمام تعلیمی اداروں میں اردو اور دیگر پاکستانی زبانوں میں فنی و تکنیکی تعلیم اور مہارتوں کی عملی تربیت کا اہتمام کیا جائے۔

۴۴۔ پیداواری مقاصد کے علاوہ کاروں گاڑیوں، موبائل، منشیات و مشروبات، اشیائے تعیش و زیبائش سمیت ہر قسم کی مشینری و آلات اور مصنوعات کی درآمد پر پابندی لگا کر درآمدی اشیاء کے متبادل اشیاء و مصنوعات کی اندرون ملک تیاری کے لئے ضروری سہولیات ومراعات فراہم کی جائیں۔

۴۵۔ بجلی کی بچت کے لئے سرکاری دفاتر میں ہفتہ میں دو چھٹیوں کے اوقات کار رائج کئے جائیں۔ تمام بازار، سرکاری دفاتر اور تجارتی مراکز صبح ۷ بجے کھولنے اور مغرب کی نماز کے ساتھ ہی بند کرنے کا نظام نافذ کیا جائے تاکہ عوام آفتاب کی روشنی میں اپنے تمام کام کاج ختم کر سکیں۔ اس طرح قیمتی وقت، بجلی، ایندھن اور سرمائے کی بچت ہوگی۔

۴۶۔ توانائی کی بچت اور بجلی کی لوڈ شیڈنگ کے مسائل پر قابو پانے کے لئے غریب گھرانوں کو دو ہزار ماہانہ دینے کی بجائے سولر پینل رعایتی نرخوں اور آسان قسطوں پر فراہم کئے جائیں۔ نئے رہائشی منصوبوں کو بجلی کی فراہمی کی بجائے سولر رہائشی اسکیم کے طور پر تعمیر کی اجازت دی جائے۔ دیہات میں عوام کے تعاون اور سرکاری ونجی شعبہ کی امداد و تعاون سے ماڈل سولر ویلیج بنائے جائیں۔ تمام سرکاری دفاتر کو ائر کنڈیشنڈ سے پاک کر کے شمسی توانائی پر منتقل کیا جائے۔ اسی طرح ملک بھر کی مساجد اور جملہ عبادت گاہوں اور دیگر اجتماعی مراکز کو بھی شمسی توانائی پر منتقل کیا جائے۔

۴۷۔ ہر شہر کی مارکیٹوں اور بازاروں میں بجلی کی لوڈ شیڈنگ کی وجہ سے لاکھوں جنریٹر ڈیزل کی کھپت میں اضافہ اور اس کی وجہ سے درآمدی بل میں غیر معمولی اضافہ کا سبب بن رہے ہیں۔ انہیں شمسی پینل فراہم کر کے ایندھن اور زرمبادلہ کی زبردست بچت کی جاسکتی ہے۔

۴۸۔ موجودہ سیاسی، معاشی اور معاشرتی صورت حال سے بد دل اور مایوسی کے شکار محبّ وطن شہری اور خاص طور پر صاحبانِ علم و دانش اپنی روایتی سستی کاہلی، بے دلی اور قومی امور سے متعلق لاتعلقی کی دیرینہ مجرمانہ روش ترک کر کے اپنے اپنے دائرہ اثر میں خواہ وہ خود اپنی ذات، خاندان، برادری یا جماعت تک محدود کیوں نہ ہو، اپنے علم و معلومات اور تجربات کی شمع لے کر نکلیں اور اپنے مستقبل کے لئے فکرمند نوجوانوں اور مسائل کے شکار خاندانوں کی رہ نمائی کریں۔ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر تمام دن تبصرے بازی کے بجائے میدانِ عمل میں نکلیں اور اپنی دلچسپی اور مہارت کے شعبہ میں رضا کارانہ تعلیمی، تربیتی، تدریسی، دینی و تبلیغی، طبی اور سماجی خدمات کے ذریعہ اپنا فرض ادا کریں۔

۴۹۔ روز افزوں مہنگائی سے تنگ والدین دوسروں کی نقالی کے بجائے اپنی چادر دیکھ کر پاؤں پھیلائیں، بچوں کو قریب ترین سرکاری اسکول میں داخل کرائیں۔ اساتذہ کے ساتھ قریبی رابطہ رکھیں۔ صحت اور حفظانِ صحت کے اصولوں پر عمل کریں۔ رہن سہن، خورد و نوش اور عام زندگی میں سادگی، محنت و مشقت اور صبر و شکر کی عادت اپنائیں۔ گھر میں صفائی اور ستھرائی کا خیال رکھیں اور بچوں کی صحت اور ان کی معیاری تعلیم و تربیت پر خاص توجہ دیں اور اپنی آمدنی میں اضافہ کی تدابیر اپنائیں۔

۵۰۔ ہر شہر میں بدقسمتی سے اپنے ذاتی مفادات اور کرپشن کے تسلسل اور اس پر پردہ پوشی کے لئے ڈی سی او، ڈی پی او، تحصیل دار، سیشن جج اور پریس کلب عہدیداروں کا مجرمانہ گٹھ جوڑ وجود میں آ چکا ہے جس سے صوبوں اور مرکز سے مقامی اور ضلعی حکومتوں کو ملنے والے ترقیاتی فنڈز کی خرد برد، شہروں میں ناجائز تجاوزات، چوری، ڈاکہ، اسٹریٹ کرائمز، مخالفین کے خلاف جھوٹے مقدمات، بے روزگاری، ٹریفک اور صحت و صفائی کے مسائل اور عوام کی مشکلات میں دن بدن اضافہ ہو رہا ہے۔ اس گٹھ جوڑ کے خلاف اور شہری حقوق کی بازیابی کے لئے ہر شہر میں سیاسی مصلحتوں سے بے نیاز ہو کر نوجوانوں اور باشعور اور سماجی و دینی شعور کے حامل فعال شہریوں کی طرف سے غیر سیاسی پلیٹ فارم تشکیل دے کر پُرامن مشترکہ جدوجہد کو فروغ دینے کی ضرورت ہے۔ علماء کرام، وکلاء، صحافی، خواتین اور طلباء تنظیمیں اور سوشل میڈیا ورکرز شہری مسائل اور سرکاری دفاتر میں رشوت ستانی اور بدعنوانی کے خلاف شعور کو اجاگر کر کے اس قسم کی عوامی بیداری مہمات میں اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔

معاشی ترقی اور معاشرہ میں مثبت سماجی تبدیلیوں کے آغاز کے لیے پیش کی گئیں یہ چند غیر سیاسی تجاویز قومی زندگی کے تمام شعبوں کو محیط نہیں۔ مختلف شعبوں کے ماہرین اور دینی، سماجی و سیاسی رہنماؤں سے استدعا ہے کہ وہ ان مخلصانہ تجاویز پر غور و خوض اور بحث و تمحیص کے بعد اپنی قیمتی تجاویز و آراء سے نوازیں تاکہ ایک جامع لائحہ عمل تیار کر کے اربابِ بست و کشاد اور دیگر اسٹیک ہولڈرز کی توجہ اور عملی اقدامات کے لئے پیش کیا جائے۔

سفیر اسلام ڈاکٹر محمد حمید اللہ نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ

محمد رضوان طاہر فریدی

ڈاکٹر محمد حمید اللہ دنیا اسلام کے عظیم محقق، مؤرّخ، مصنف، سیرت نگار، ماہر قانون بین الممالک، عاشق صادق اور سنت نبوی ﷺ کے پیکر صوفی صفات بزرگ تھے۔ بلند پایہ شخصیت ہونے کے باوجود ان میں فقر و قناعت اور عاجزی و انکساری موجود تھی۔ قرآن سے عشق کی حد تک لگاؤ تھا۔ زندگی بھر شادی نہیں کی اور بیوی، بچوں سے آزاد رہ کر ہمیشہ تدریس، تحقیق و تصنیف میں مصروف رہے، اللہ کے اس بندے کی ساری زندگی اس طرح گزری کی کبھی کسی جگہ درس قرآن کی محافل سجائے بیٹھے ہیں۔ کبھی غیر مسلموں کے سوالات کے جوابات دے رہے ہیں۔ کبھی تصنیف و تالیف میں مشغول ہیں۔ کبھی کسی تحقیق کے لیے مختلف ممالک میں سفر پر ہیں۔ کبھی اسلام کے پیغام کو عام کرنے کے لیے دنیا کے مختلف ممالک میں لیکچر دینے کے لیے تشریف لے جا رہے ہیں اور کبھی تبلیغ دین کے لیے خود کوئی علم یا زبان سیکھ رہے ہیں۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی ولادت ۱۶ر محرم الحرام ۱۳۲۶ھ/۱۹ فروری ۱۹۰۸ء کو حیدر آباد، دکن (ہند) میں ہوئی۔

یہ بات بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ ڈاکٹر صاحب راسخ العقیدہ سنی عالم دین تھے۔ ایسے سنّی جو میلاد شریف کے انعقاد کو نہایت ضروری قرار دیتے ہوں اور رسالت مآب ﷺ کے اسم گرامی پہ باقاعدہ انگوٹھے چومتے ہوں۔ لیکن چوں کہ ڈاکٹر صاحب کا کام آفاقی نوعیت کا تھا اور انہوں نے مسلکی جھگڑوں میں الجھنے کے بجائے دین کی آفاقی تعلیمات کے فروغ کے لیے کام کیا ہے اس لیے سادہ لوح سنی گمان کرتے ہیں کہ شاید وہ وہابی تھے۔ حالانکہ یہ گمان غلط ہے۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کا خاندانی تعلق نوائط برادری سے تھا جو جنوبی ہند کے ساحلی علاقوں پر آباد تھی اور پیشہ کے اعتبار سے تجارت اور جہاز رانی سے وابستہ تھی۔ اس خاندان کی علمی و تبلیغی خدمات بھی شاندار ہیں۔ آپ کے دادا قاضی محمد صبغت اللہ جنوبی ہند کے پہلے نثر نگار اور ایک عالم دین کی حیثیت سے مشہور تھے جو اردو، عربی اور فارسی میں ۵۶ کتابوں کے مصنف و مؤلف ہیں۔ آپ کا خاندان فقہی لحاظ سے شافعی مسلک پر کاربند ہے۔ ڈاکٹر حمید اللہ مرحوم کی ایک بھتیجی (سدیدہ) امریکہ میں مقیم ہیں۔ انہوں نے ڈاکٹر صاحب کا ایک انٹرویو کیا تھا جسے ڈاکٹر صاحب کی خدمات پر کام کرنے والے محققین میں بہت پذیرائی ملی ہے۔ اس انٹرویو سے پتا چلتا ہے کہ ان کے خاندان میں اور بھی کئی افراد مصنف تھے حتیٰ کہ آپ کی بہنوں کا شمار بھی برصغیر کی صاحبِ تصنیف مسلم خواتین میں ہوتا ہے۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ دولت آصفیہ کے پاسپورٹ پر یورپ آئے تھے کہ ۱۹۴۸ء میں بھارت کی طرف سے ریاست دکن پر قبضہ ہوا تو آپ کو بھارت سے نفرت ہوگئی اور دوبارہ یہاں قدم نہیں رکھا۔ فرماتے تھے کہ میری غیرت نے قبول نہیں کیا کہ بھارت کا پاسپورٹ حاصل کروں۔ اس کے بعد فرانس میں قیام کیا اور یہاں بھی شہریت حاصل نہ کی بلکہ زندگی بھر پناہ

گزیں کی حیثیت سے ہی قیام کیا اور محض وثیقہ راہ داری (Travel doucments) کے ذریعے عالمی سفر کرتے رہے جس کے تحت چھ ماہ کے اندر اندر انہیں فرانس واپس آنا پڑتا تھا۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے بچپن میں ہی قرآن مجید حفظ کیا۔ ابتدائی تعلیم کے بعد حیدر آباد کی مشہور درسگاہ دارالعلوم میں داخلہ لیا جہاں چھ سال زیر تعلیم رہے۔ اس کے بعد جامعہ نظامیہ حیدر آباد دکن سے درس نظامی مکمل کیا۔ جبکہ ۱۹۳۰ء میں جامعہ عثمانیہ حیدر آباد، دکن سے ایل ایل بی کی ڈگری لی۔ یہاں سے فراغت کے بعد آپ جرمنی تشریف لے گے جہاں بون یونیورسٹی میں ڈی فل کی ڈگری کے لیے جرمن زبان میں اسلام کے بین الاقوامی تعلقات پر مقالہ لکھا کر جمع کروایا۔ اس کے بعد فرانس تشریف لے گے جہاں سوربون یونیورسٹی میں ڈی لٹ ڈگری کے لیے فرانسیسی زبان میں ایک مقالہ بعنوان عہد نبوی اور خلافت راشدہ میں اسلامی سفارتکاری، ۱۹۳۴ء میں پیش کیا اور ڈگری لے کر اپنے وطن حیدر آباد لوٹ آئے۔ یہاں آ کر آپ نے پی ایچ ڈی کی تیسری ڈگری ۱۹۴۰ء میں جامعہ عثمانیہ حیدر آباد، دکن سے حاصل کی۔ مقالے کا عنوان تھا اسلام کا نظام حکمرانی۔

ڈاکٹر صاحب کو قرآن مجید کے بعض الفاظ کی تلفظ کی ادائیگی میں دشواری ہوتی تھی جس کی تصحیح آپ نے مدینہ منورہ کے ایک استاد محترم سے کی تھی۔ اس حوالے سے اپنی بھتیجی سدیدہ کو انٹرویو دیتے ہوئے آپ کا فرمانا تھا کہ یہ میری خوش قسمتی تھی کہ مجھے جنگ عظیم دوم سے قبل مدینہ منورہ میں رہنے کا شرف حاصل ہوا اور اس قیام کے دوران میں نے ایک بہت ہی ضعیف استاد محترم سے قرآن پڑھنا سیکھا۔ اُس وقت جن الفاظ کے تلفظ کی ادائیگی میں مجھے مشکل ہوتی تھی، میں نے اُن الفاظ کے صحیح تلفظ سیکھے، محترم استاد اپنے اساتذہ کا سلسلہ تلمذ حضور نبی اکرم ﷺ تک بتاتے تھے۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے زمانہ طالب علمی کے ایک اہم پہلو کا ذکر دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا کہ آپ دوران تعلیم نہ تو چھٹی کرتے تھے اور نہ ہی لیٹ ہوتے تھے۔ آپ کے دیرینہ ساتھی احمد عبداللہ المدوسی کا بیان ہے کہ ڈاکٹر حمید اللہ اپنے پورے زمانہ طالب علمی میں صرف ایک دفعہ کلاس میں تاخیر سے پہنچے (غیر حاضری کا تو سوال ہی نہیں تھا) اور یہ وہ دن تھا جب ان کی والدہ کا انتقال ہوا۔ تدفین کے بعد یہ نوجوان سیدھا جامعہ گیا اور کلاس میں شریک ہوگیا۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ پہلی بار اپنے زمانہ تعلیم میں اعلیٰ اسناد و تحقیق کے لیے ۱۹۳۳ء جرمنی اور ۱۹۳۴ء فرانس تشریف لے گے تھے۔ آزادی ہند کے بعد وہ ایک بار پھر ریاست دکن کی طرف سے اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں بھیجے گے وفد کے ساتھ بطور مشیر قانون مغرب گئے اور سقوط حیدر آباد کے بعد ہمیشہ کے لیے فرانس کو ہی اپنا مسکن بنالیا اور ہمہ تن تصنیف و تالیف، تحقیق و تدوین اور تبلیغ و اشاعت اسلام میں مشغول ہوگے۔ وہاں رہ کر آپ کو تبلیغ دین کے خوب مواقع میسر آئے اور اس کے لیے آپ نے تمام ذرائع ابلاغ کو اپنایا۔ وہ تمام خصوصیات و خوبیاں اور علمی قابلیت اپنے اندر پیدا کی جو ایک داعی اسلام میں ہونی چاہیے۔ فرانس میں رہ کر جہاں آپ نے ایک طرف مستشرقین کے اسلام کے متعلق پھیلائے ہوئے شکوک و شبہات کو انہی کے انداز و طرز تحقیق میں ختم کیا۔ وہیں دوسری طرف مسلم و نو مسلم افراد کی تعلیم و تربیت کے لیے ہمیشہ خود کو مصروف رکھا۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے مغرب میں تبلیغ اسلام کو مختلف خطوط پر استوار کیا اور تمام عمر انہی پر کاربند رہتے ہوئے اسلام کے آفاقی پیغام کو پھیلاتے رہے۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کا قیام پیرس میں تھا اور ان کے مخاطبین اور قارئین میں کسی ایک خطے کے مسلمان نہیں تھے بلکہ دنیا بھر کے افراد تھے جن میں مسلم، نومسلم، کفار بالخصوص مستشرقین شامل تھے۔ اس لیے آپ نے مختلف زبانوں کو سیکھنے پر بھی بھرپور توجہ دی اور کئی زبانوں پر عبور حاصل کیا تا کہ اسلام کے آفاقی پیغام کو دنیا کے مختلف کونوں میں بسنے والے لوگوں کے درمیان ان کی ہی زبان میں پہنچا سکیں۔ آپ کو جن زبانوں پر قدرت حاصل تھی ان میں اردو، عربی، فارسی، فرانسیسی، جرمن، قدیم و جدید ترکی، اطالوی، چینی، عبرانی، انگریزی، تھائی اور روسی زبانیں شامل ہیں۔ تھائی زبان آپ نے اس وقت سیکھی جب آپ کی عمر اسّی سال سے تجاوز کر چکی تھی۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ آپ کو جن زبانوں پر عبور حاصل تھا ان کی تعداد سترہ ہے جبکہ سات زبانوں میں آپ نے کتب و رسائل اور مقالات قلم بند کیے ہیں۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کو اللہ تعالیٰ نے مطالعہ کا وافر ذوق عطا فرمایا تھا۔ ہمیشہ مطالعہ و تحقیق میں مشغول رہتے۔ آپ کی رہائش گاہ ضروری سامان زندگی کے علاوہ کتابوں سے بھری ہوئی تھی اور اسی ذوق کی بنا پر آپ نے اپنے ہاں فون نہیں لگوایا تھا تا کہ مطالعہ و تحقیق میں رکاوٹ نہ آئے۔ آپ رابطہ کرنے والوں سے صرف خط و کتابت ہی کرتے تھے۔ شاید اسی وجہ سے آپ نے اپنا فلیٹ بھی چوتھی منزل پر لیا تھا تا کہ بازار کا شور و غل کم سے کم پہنچے اور مطالعہ میں حرج واقع نہ ہو۔ اپنے ذوق مطالعہ و تحقیق کے متعلق خود فرماتے ہیں:

> حیدرآباد، جرمنی اور فرانس کی درسگاہوں میں اساتذہ سے تو کم، اپنی ذاتی تلاش اور مطالعے سے ہی وہ سیکھا جو اب جانتا ہوں اور جو بہت ہی قلیل علم ہے۔ تاثر یہی ہے کہ آدمی اپنی ذاتی محنت اور کاوش سے کچھ سیکھتا ہے۔

ذوق مطالعہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے قوت حافظہ کی دولت سے بھی مالا مال کیا تھا۔ خطبات بہاولپور اپنی یادداشت کی بنا پر زبانی دیے تھے اور ایسا بھی نہیں کہ سارا دن اس کی تیاری کرتے ہوں بلکہ دن کا اکثر حصہ آنے والے احباب سے ملاقاتوں اور علمی مجالس میں گزرتا تھا۔ آپ نے اپنی بھتیجی کو انٹرویو میں کہا تھا کہ کوئی زبان سیکھنے کے لیے ایک ماہ کا وقت درکار ہوتا ہے جبکہ عام لوگوں کے لیے صرف تیس دنوں میں کسی زبان پر قادر ہونا آسان نہیں۔ یہ بات وہی کر سکتا ہے جس کی قوت حافظہ مضبوط ہو۔

مغرب میں مسلم بالخصوص نومسلم کی تعلیم و تربیت کے لیے آپ ہمیشہ متحرک رہتے اور بسا اوقات اس کے لیے دنیا کے مختلف ممالک کی جامعات وغیرہ سے توسیعی خطبات، علمی مذاکروں اور کانفرنسوں میں شرکت سے بھی معذرت کر لیا کرتے تھے۔ کئی دہائیوں تک اسلام کے آفاقی پیغام کو انتہائی حکمت و دانائی اور تحقیقی انداز میں اہل یورپ کے سامنے رکھتے رہے آپ کی مساعی جلیلہ اور قد آور اور باکردار علمی شخصیت سے متاثر ہو کر لاکھوں افراد نے آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ جبکہ آپ نے مجلّہ تکبیر کے مدیر کو انٹرویو دیتے ہوئے ایک سوال کے جواب میں فرمایا:

> فرانس میں اب تک ایک لاکھ مسلمان ہو چکے ہیں، یومیہ ۸ تا ۱۰ کی اوسط ہے، مسلمان ہونے والوں میں پروفیسر، سفیر، نان بائی، پادری، نن بالخصوص خواتین شامل ہیں۔

مولانا رضاء الدین صدیقی راوی ہیں کہ جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ نے ڈاکٹر صاحب سے ملاقات کے

دوران استفسار کیا کہ یورپ میں اسلام کا مستقبل کیا ہے؟ جس کے جواب میں ڈاکٹر صاحب نے فرمایا:

نہایت روشن ہے۔ جس پیرس میں رہتا ہوں یہاں ہر روز ۱۲، ۱۱۳ ایسے افراد اسلام قبول کر رہے ہیں جو پروفیسر، سائنس دان اور قانون دان ہیں لیکن اس کی وجہ یہ نہیں کہ یہاں تبلیغی جماعت والے آتے ہیں اور ان کے اثرات ہو رہے ہیں۔ یہ وجہ بھی نہیں کہ میں نے قرآن پاک کا ترجمہ فرانسیسی زبان میں کر دیا ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ صوفیاء کرام کا لٹریچر ترجمہ ہو کر ان تک پہنچ رہا ہے اور یہ اس کے اثرات ہیں۔

ایک دوسرے مقام پر آپ نے فرانس میں اسلام کی بڑھتی مقبولیت کے متعلق فرمایا تھا:

حکومت مخالف ہے۔ چرچ مخالف ہے۔ اُن کے پاس وسائل ہیں۔ اس کے باوجود لوگ مسلمان ہو رہے ہیں۔ یہ حیرت انگیز چیز ہے۔ سوائے اس کے کچھ نہیں کہہ سکتا کہ اللہ کی مہربانی ہے۔ اللہ کا فضل ہے۔

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب میں نے پتا چلایا کہ ان نومسلموں میں ننانوے فیصد حصّہ تصوف اور صوفیا کی تعلیم کے باعث اسلام قبول کر رہا ہے۔ عقل پرستوں کی لایعنی تحریروں اور تفسیروں کے باعث نہیں۔ مسلمان صوفیاء کی چیزیں اب آہستہ آہستہ فرنگی زبانوں میں ترجمہ یا تالیف ہو رہی ہیں۔ اسلام دل کے راستہ سے ہی پھیل سکتا ہے۔ دل کی زبان میں تاثیر ہے، جو سحر ہے، وہ کسی اور چیز میں نہیں۔ ہم جس کی نقالی کرنا چاہتے ہیں وہ خود اب اپنے آپ سے بے زار ہو گیا ہے۔

برصغیر میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی شخصیت پر کام کرنے والوں نے ڈاکٹر صاحب کی شخصیت کے اس پہلو کو اکثر اور بڑے اچھے الفاظ میں نمایاں کرنے کی کوشش کی ہے کہ ڈاکٹر صاحب مسلکی تعصّبات سے بالاتر ہو کر دین کی خدمات کرتے رہے اور برصغیر میں چلنے والے مسلکی معاملات میں ان کی کوئی دلچسپی نہیں تھی یا وہ انہیں پسند نہیں کرتے تھے۔ یہ تاثر ڈاکٹر صاحب کی شخصیت کے حوالے سے بعض لوگوں کے لیے جہاں خوش کن تاثر چھوڑتا ہے وہیں مذکورہ افراد اس سے یہ نتیجہ بھی اخذ کرتے ہیں کہ ڈاکٹر صاحب ندوی فکر پر کاربند تھے۔ جبکہ ہمارے اکثر افراد جب ڈاکٹر صاحب کے حوالہ سے اس طرح کی تحریریں دیکھتے ہیں اور ساتھ یہ دیکھتے ہیں کہ ڈاکٹر صاحب کا رد وہابیت پر کوئی کام نہیں ہے۔ نیز ڈاکٹر صاحب کی کتب غیر سنی چھاپ رہے ہیں۔ تو ان کے نزدیک ڈاکٹر صاحب مشکوک ہو جاتے ہیں بلکہ بعض تو انہیں سنی ہی نہیں سمجھتے جس کی وجہ سے وہ ڈاکٹر صاحب کو پڑھنا اور ان کی شخصیت کے مطالعہ کی طرف راغب نہیں ہوتے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے ہاں مجموعی طور پر یہ کسی المیہ سے کم نہیں ہے کہ ہم کسی شخصیت کو صرف اس بنا پر غیر سنی سمجھنا شروع کر دیں کہ ان پر دوسرے مسالک کے افراد نے کام کیا ہے یا وہ ان کی کتب چھاپ رہے ہیں۔ اس روش نے کتنے ہی اکابر سنی بزرگوں کے کام و نام کو دوسروں کے کھاتے میں ڈال دیا ہے اور ہماری نئی نسل ان کے نام اور کارناموں تک سے واقف نہیں ہے۔

جہاں تک ڈاکٹر محمد حمید اللہ کا تعلق ہے تو وہ سنی عالم ہیں۔ سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت تھے اور فقہی لحاظ سے امام شافعی

کے مقلد تھے۔ دوم صرف ردوہابیت پر ہی نہیں بلکہ ردرافضیت اور ردقادیانیت پر بھی ان کا کوئی مستقل کام نہیں ہے۔ سوم ڈاکٹر صاحب کے زیادہ تر موضوعات قرآن، حدیث، تاریخ، قانون بین الممالک اور سیرت الرسول ﷺ تھے۔ چہارم ان سے استفادہ کرنے والوں میں کسی ایک خطہ کے افراد نہیں بلکہ دنیا بھر کے مختلف مذاہب، مسالک اور ہر شعبہ سے تعلق رکھنے والے افراد شامل تھے اور ڈاکٹر صاحب نے ہر آنے والے کو کسی تفریق کے بغیر مستفیض فرمایا ہے۔ پنجم ڈاکٹر صاحب جس سرزمین میں تبلیغ دین میں مصروف تھے وہاں ان کے مخاطبین زیادہ تر مستشرقین، غیر مسلم، نومسلم، اور وہ مسلمان تھے جو اسلام کی بنیادی تعلیمات سے بھی ناآشنا ہوتے ہیں اور جن کے پاس حصول علم کے وہ تمام ذرائع محدود ہیں جو ہمارے ہاں بہ آسانی دستیاب ہیں جس کا لازمی تقاضہ یہی تھا کہ وہ وہاں کے ماحول، ضروریات اور تقاضوں کے مطابق کام کریں سوانہوں نے وہ ہی کیا۔ ڈاکٹر صاحب کے جن چند امور میں تفردات مشہور ہیں وہ بھی اسی کا نتیجہ ہیں۔ ایسے میں سنی حلقوں کا ان کی کتب سے استفادہ نہ کرنا یا انہیں سنی ہی نہ سمجھنا، ان کی کتب پر کام نہ کرنا، ان کی اشاعت نہ کرنا اوران کی شخصیت کو قابل توجہ نہ سمجھنا، سمجھ سے بالاتر ہے۔

ڈاکٹر صاحب سے ایک مقام پر انٹرویو میں فرانس کے اندر بسنے والے مختلف ممالک ومسالک سے تعلق رکھنے والے مسلمانوں کے درمیان باہمی اخوت سے متعلق سوال ہوا تو اس کے جواب میں آپ نے فرمایا:

> الحمدللہ بھائی چارہ ہے۔ میرے علم میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو جھگڑوں کا باعث بنے۔ یہ بات اور ہے کہ میں سنی ہوں اور آپ شیعہ ہیں تو میرے روابط (آپ سے) کم رہیں گے۔ جھگڑے نہیں ہیں لیکن روابط کم رہیں گے کیونکہ آپ شیعہ ہیں۔

ڈاکٹر محمد حمیداللہ ایک دفعہ پاکستان کے دورہ پر تھے کہ لاہور میں اردو ڈائجسٹ کے ذیلی ادارہ جس کا دفتر گارڈن ٹاؤن لاہور میں واقع تھا، کے اندر ڈاکٹر محمد حمیداللہ کے ساتھ کچھ احباب کی علمی نشست ہوئی جس کے روح رواں الطاف حسین قریشی اور مصطفیٰ صادق تھے۔ مولانا رضاء الدین صدیقی بھی موجود تھے جو کہ اس کے راوی ہیں۔ ڈاکٹر صاحب سے سوال ہوا کہ میلاد النبی کو آپ کیسے دیکھتے ہیں؟ ڈاکٹر صاحب نے جواب میں فرمایا:

> میرے نزدیک یہ فرض ہے۔ حضور اکرم ﷺ پاکیزہ خصلت کی انتہاء سے مشرف تھے۔ ان میں ایک عاجزی اور انکساری بھی ہے۔ اگر آپ خود اپنا میلاد مناتے تو شاید یہ آپ کی انکساری کے خلاف ہوتا لیکن حدیث پاک کے مطالعہ سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ آپ کو میلاد کی اہمیت کا احساس تھا اور آپ نے کئی باراس کا ذکر بھی فرمایا۔ اب امت پر فرض ہے کہ وہ آپ ﷺ کے اس احساس کو زندہ رکھے۔

میلاد شریف پر ڈاکٹر صاحب کا ایک مضمون جشن میلاد بھی موجود ہے جس کو آپ کے بھتیجے جناب عبیداللہ نے اردو، انگریزی اور تمل تین زبانوں میں ترجمہ کروا کر چھپوایا تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے ان کی طرف مکتوب روانہ کیا اوراس میں ایک پیرا بڑھانے کا کہا۔ لکھتے ہیں:

> اب ایک نئی چیز ذہن میں آئی ہے ممکن ہے آئندہ ایڈیشن میں رسالے میں کسی جگہ نئے پیراگراف کا اضافہ

کیا جا سکتا ہے۔ اردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں یہاں درج کرتا ہوں۔

''اور تو اور پورے اعتماد کے ساتھ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اپنے حبیب ﷺ کا جشن میلاد منانے پر اللہ تعالیٰ نہ صرف مومنوں بلکہ کافروں پر بھی کچھ نہ کچھ نوازشات فرماتا ہے۔ ابولہب کی شیطنت سے کون واقف نہیں؟ خود اس کے متعلق صحیح بخاری میں یہ حدیث مروی ہے کہ ایک پیر کے دن ابولہب کی لونڈی ثویبہ نے دوڑتے ہوئے آ کر ابولہب کو اطلاع دی کہ اس کے بھائی کے گھر میں محمد نامی ایک بیٹا پیدا ہوا ہے تو فرطِ مسرت سے ابولہب نے اپنی انگلی سے اشارہ کیا کہ جا اب تو آزاد ہے۔ اب دوزخ میں ہر پیر کے دن ابولہب کی اس انگلی سے ٹھنڈا اور میٹھا پانی نکلنے لگتا ہے جس کو وہ چوس کر متمتع ہوا کرتا ہے۔''

ڈاکٹر محمد حمیداللہ کی شخصیت پر لکھنے والوں نے ان کے تصوف وصوفیاء سے تعلق پر کچھ روشنی نہیں ڈالی۔ اس کی ایک تو وجہ یہ تھی کہ ڈاکٹر صاحب پیرس جیسی سرزمین میں خالص علمی و تحقیقی کاموں میں مشغول رہے اور مروجہ صوفیت یا یوں کہہ لیں کہ پیری و مریدی کی طرف متوجہ نہ ہوئے دوسری وجہ یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب کا اردو میں تعارف کروانے والوں کا اپنا رجحان عملاً تصوف کی طرف نہیں ہے جس کی وجہ سے انہوں نے ڈاکٹر صاحب کی شخصیت کو اس پہلو سے متعارف کروانا مناسب نہ سمجھا۔

ڈاکٹر صاحب سلسلہ نقشبندیہ میں مرید تھے۔ محترم مولانا رضاء الدین صدیقی فرماتے ہیں:

الحمداللہ! ڈاکٹر صاحب کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ میں نے خود ان کی زبان سے سنا کہ وہ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں مرید ہیں۔

مزید فرماتے ہیں:

پیرس میں جب حضرت پیر محمد کرم شاہ رحمۃ اللہ علیہ ان سے ملے تو انہوں نے اس بات پر بڑی حیرت کا اظہار فرمایا کہ برصغیر میں کئی لوگ انہیں وہابی سمجھتے ہیں جبکہ وہ تو تصوف کے ایک سلسلے میں بیعت بھی ہیں۔

صدیقی صاحب نے ڈاکٹر صاحب سے خط و کتابت بھی کی تھی۔ ایک جوابی مکتوب میں ڈاکٹر صاحب نے فرمایا:

میرا اپنا تعلق نقشبندی سلسلے سے ہے اور میرے شیخ دکن میں ہیں جو کچھ انہوں نے مجھے تلقین کیا میں اس کو پورا کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ میں اپنے شیخ جیسا بن تو نہیں سکتا لیکن میری خواہش ہے کہ میں ان جیسا بن جاؤں۔

ڈاکٹر محمد حمیداللہ کو برصغیر کے معروف اکابر علمائے اہل سنت کی شاگردی کا شرف حاصل ہوا اور نہ ہی وہ زیادہ دیر یہاں رہ سکے اور پھر ان کے علمی رجحانات بھی زیادہ تر قرآنیات، قانون بین الممالک، سیرت النبی ﷺ، مخطوطات کی تحقیق اور ردّ مستشرقین تھا نیز ان کا مستقل قیام بھی یورپ میں تھا جس کی وجہ سے علماء و مشائخ اہل سنت کے ساتھ ان کے روابط بہت کم تھے نیز مجموعی طور پر ہم اہل سنّت کا زیادہ رجحان ردِّ وہابیت کی طرف رہا ہے اس لیے بھی ہمارے علماء و مشائخ کے ڈاکٹر صاحب کے ساتھ روابط کم رہے۔

البتہ ڈاکٹر محمد حمیداللہ کی شخصیت کا یہ پہلو کافی تحقیق طلب ہے کہ علماء و مشائخ اہل سنت میں سے وہ کون کون سی

شخصیات تھیں جن کے ساتھ ڈاکٹر صاحب کے علمی و روحانی روابط تھے یا جنہوں نے ڈاکٹر صاحب کے کام کو سراہا۔ اگر چھان بین کی جائے تو کئی بڑے نام سامنے آ سکتے ہیں جیسے قطب مدینہ مولانا ضیاء الدین مدنی کی شخصیت سے ڈاکٹر صاحب متاثر تھے۔ خواجہ رضی حیدر لکھتے ہیں کہ عالم اسلام کے عظیم مؤرخ و مفکر ڈاکٹر حمید اللہ (مقیم پیرس) بھی ہر لحہ مولانا مدنی کے روحانی فیوض و برکات کے معترف رہتے ہیں۔

راجہ رشید محمود مرحوم لکھتے ہیں:

> عظیم مؤرخ و مفکر ڈاکٹر حمید اللہ (مقیم پیرس) بھی مولانا مدنی کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور ان کے روحانی فیوض و برکات کے معترف ہیں۔ قطب مدینہ کے انتقال کے وقت ڈاکٹر صاحب نے آپ کے فرزند مولانا فضل الرحمٰن کو بزبان عربی تعزیتی مکتوب روانہ کیا جس میں سیدی قطب مدینہ کے بلندی درجات کی دعا کے ساتھ ان کے اخلاق کی تعریف کی اور بتایا کہ وہ ۱۹۳۲ء میں ان کی زیارت سے مشرف ہو چکے ہیں۔

ماہر رضویات پروفیسر مسعود احمد مجددی بھی ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے قدر دان تھے۔ مکاتیب مظہری کے مقدمہ میں ان کی مکتوب نگاری کی خدمات کو سراہا ہے اور اپنے پی ایچ ڈی کے مقالہ میں بھی ڈاکٹر صاحب کی قرآنی خدمات کا ذکر کیا ہے۔ نیز ڈاکٹر صاحب سے آپ کی خط و کتابت بھی ہوئی تھی۔ مجددی صاحب نے اپنا پی ایچ ڈی کا مقالہ (اردو میں قرآنی تراجم و تفاسیر) کی ایک کاپی ڈاکٹر صاحب کو پیرس بھجوائی جس پر ڈاکٹر صاحب کا جوابی مکتوب آیا اور شکریہ کے ساتھ اس مقالے میں موجود معلومات کو دیانت داری کے ساتھ استعمال کرنے کا عزم ظاہر کیا تھا۔

اسی طرح مولانا محمد عالم مختار حق بھی ڈاکٹر صاحب کے ساتھ خط و کتابت کیا کرتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب کا مختار حق صاحب کے نام ایک مکتوب راشد شیخ کی مرتب کردہ کتاب ڈاکٹر محمد حمید اللہ، حیات، خدمات اور مکتوبات میں محفوظ ہے۔ جبکہ گذشتہ سطور میں مولانا رضاء الدین صدیقی اور حضرت جسٹس پیر محمد کرم شاہ ازہری رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقاتوں اور خط و کتابت کا مختصر احوال بھی بیان ہو چکا ہے۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ شافعی المسلک ہونے کے باوجود فقہ حنفی کے بڑے قدر دان تھے۔ ماہر قانون بین الممالک کی حیثیت سے آپ نے فقہ اسلامی کی تاریخ و ارتقاء کا خصوصی مطالعہ کیا۔ ''امام ابوحنیفہ کی تدوین قانون اسلامی'' لکھ کر اردو زبان میں امام صاحب کی تدوین فقہ اسلامی میں خدمات کو زبردست خراج عقیدت پیش کیا۔ ڈاکٹر صاحب نے جس اسلوب اور عقلی و نقلی دلائل سے امام صاحب کی تدوین فقہ اسلامی میں خدمات پر روشنی ڈالی ہے کم از کم اردو زبان میں اس سے پہلے ایسا طرز تحقیق نظر نہیں آتا اور یہ کتاب بعد والوں کے لیے ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔ آپ امام اعظم ابوحنیفہ کے شاگرد امام محمد بن حسن شیبانی کو قانون بین الممالک کا بانی قرار دیتے ہیں۔ فقہ حنفی سے اسی قلبی وابستگی کا نتیجہ تھا کہ آپ نے امام محمد کی السیر الکبیر کو ایڈٹ کیا اور پانچ جلدوں میں اس کا فرانسیسی ترجمہ شائع کروایا۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کو پاکستان سے والہانہ محبت اور دل وابستگی تھی اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ یہ ملک اسلام کے نام پر

حاصل کیا گیا تھا۔ پیرس میں منتقل ہونے کے بعد پاکستان میں موجود بعض احباب کو لکھے گئے خطوط میں بھی اس کی سلامتی و ترقی کے لیے دعا گو نظر آتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب یہاں مستقل قیام پذیر ہونا چاہتے تھے مگر افسر شاہی نے انہیں یہاں قیام نہیں کرنے دیا اور حکمرانوں نے ان کی قدر نہ کی جس کی وجہ سے آپ نے یہاں رہ کر کام کرنے کا فیصلہ ترک کر دیا۔ ڈاکٹر جاوید اقبال بن شاعر مشرق ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، جنرل ایوب کے کہنے پر پیرس گئے اور ڈاکٹر محمد حمید اللہ کو پاکستان آنے کی دعوت دی مگر ڈاکٹر صاحب نے صاف انکار کر دیا اور فرمایا کہ میں جب حیدر آباد (دکن) سے نکلا تو پہلے پاکستان ہی آیا تھا مگر یہاں کی یونیورسٹیوں کے باسیوں نے مجھے آباد ہونے نہیں دیا۔

اسی طرح پنجاب یونیورسٹی کے وائس چانسلر پروفیسر حمید احمد خان نے ۱۹۶۶ء میں ڈاکٹر صاحب کو اردو دائرہ معارف اسلامیہ کی مسند صدارت پیش کی تو اس وقت بھی آپ نے معذرت کر لی اور فرمایا:

میں بوڑھا ہو چلا ہوں۔ گذشتہ محرم میں ساٹھ سال ختم کر چکا ہوں۔ اس کام کے لیے ایک جواں سال مستعد آدمی کی ضرورت ہے۔ جامعہ استنبول کی خدمت کے معاہدے میں ابھی پانچ سال اور باقی ہیں۔ وہاں ہر سال تین ماہ کے لیے جانا پڑتا ہے۔ اور جو خط آپ نے ڈاکٹر محمد حسن عسکری کے نام لکھا تھا اس میں ہے کہ بے معاوضہ اعزازی کام کرنے حاضر ہوں بشرطیکہ اسے پیرس میں ہی رہ کر کرنے کی اجازت دی جائے۔

البتہ بعد میں یہاں کے اہل علم وحکمرانوں کو ڈاکٹر صاحب کی قدآور علمی شخصیت کا بھرپور اندازہ ہو چکا تھا یہی وجہ تھی کہ ملک بھر کے بہت سے اصحاب تحقیق مسلسل رابطے میں رہنے لگے اور ملک کے حکمرانوں نے مختلف یونیورسٹیوں میں وقفہ وقفہ سے ڈاکٹر صاحب کے خطبات کا سلسلہ شروع کروایا اور آپ کے عالمی شہرت یافتہ خطبات بہاولپور بھی یہیں ہوئے۔ حکومت پاکستان نے آپ کی علمی خدمات کے صلہ میں ایوارڈ پیش کیے اور آخری عمر میں جب آپ بیمار ہوئے تو اس وقت کے صدر مملکت نے آپ کو پاکستان لاکر ہر طرح کے علاج ومعالجہ اور خدمات کی پیش کش کی جسے آپ نے قبول نہ کیا۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ زندگی میں کئی بار پاکستان آچکے ہیں جن میں دو دورے کافی مشہور ہیں۔ پہلا ۱۹۵۰ء میں حکومت پاکستان کی درخواست پر تشریف لائے اور اسلامک لاء سے متعلق دستور ساز اسمبلی میں ایک سال تک کام کرتے رہے جبکہ دوسرا سفر ۱۹۸۰ء میں اسلامیہ یونیورسٹی، بہاولپور کی دعوت پر ہوا جو پندرہ روز پر مشتمل تھا جس میں ۸ مارچ سے ۲۰ مارچ تک بارہ خطبات پر مشتمل محیط پروگرام تھے۔ یہ وہی خطبات ہیں جو بعد میں خطبات بہاولپور کے نام سے مشہور ہوئے۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ چودھویں اور پندرہویں صدی ہجری کی ان بلند پایہ علمی شخصیات میں سے ایک ہیں جن کو کئی طرح کی اولیات کا اعزاز حاصل ہے۔ آپ قدیم وجدید علوم عقلیہ ونقلیہ پر مہارت رکھنے والے برصغیر کے پہلے مسلم سکالر ہیں جنہوں نے فرانسیسی زبان میں قرآن مجید کا مکمل اور جامع ترجمہ کیا۔ سب سے پہلے صحیفہ ہمام بن منبہ کی دریافت اور اشاعت کا سہرا بھی آپ کے سر ہے۔ سیرت ابن اسحاق کی پہلی دریافت اور اشاعت بھی آپ ہی کے حصہ میں آئی۔

آپ ہر کام خالصتاً رضائے الٰہی کے لیے کرنے کے قائل تھے اور دنیا میں اپنی دینی خدمات کا صلہ لینے کی تمنا نہیں

کرتے تھے۔ غالباً ۱۹۸۲ء یا اس کے قریب قریب حکومت پاکستان نے آپ کی سیرت النبی ﷺ پر خدمات کی بناء پر دس لاکھ بطور ایوارڈ پیش کیا آپ نے یہ پوری رقم ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد کی نذر کر دی اور ایک سوال کے جواب میں فرمایا: اگر میں یہاں لے لیتا تو پھر وہاں کیا لیتا؟

ڈاکٹر محمد حمید اللہ بڑے صابر اور خوددار واقع ہوئے تھے اپنی ذات کے لیے کسی سے سوال کرنا تو آپ کی ڈکشنری میں شامل ہی نہیں تھا۔ آخری عمر میں ایک روز بینک سے رقم لینے گئے تو معلوم ہوا کہ ان کا اکاؤنٹ خالی ہے کسی شخص نے ان کے دستخط میں مہارت حاصل کی اور جعلی دستخط کر کے ساری رقم نکلوالی۔ ڈاکٹر صاحب نے کسی سے اس بات کا ذکر نہ کیا۔ روزمرہ کی ضروریات کے لیے بھی ان کے پاس رقم نہیں تھی۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ اگلے ماہ پنشن آنے تک وہ کچھ نہیں کھائیں گے اور محض پانی وغیرہ پر گزارہ کریں گے۔ ایک روز نماز پڑھتے ہوئے نقاہت کا غلبہ ہوا اور وہ گر پڑے، ہسپتال پہنچایا گیا تو معلوم ہوا کہ کئی روز سے فاقہ سے تھے چنانچہ اس کے بعد ان کی بھتیجی سدیدہ انہیں اپنے ہاں امریکہ لے گئیں۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کثیر التصانیف عالم تھے۔ ان کی مختلف زبانوں میں کتب و رسائل اور مقالات کی ایک لمبی فہرست ہے مجلدات کی تعداد ۱۶۰ سے زائد جبکہ مقالات ایک ہزار کے لگ بھگ ہیں۔ اس طرح ڈاکٹر صاحب عالم اسلام کے ان دس ممتاز مصنفین میں شامل ہو جاتے ہیں جنہوں نے اپنے پیچھے گوناں گو موضوعات پر کم و بیش ایک ہزار تصانیف و تالیفات کا علمی ذخیرہ، ورثہ کے طور پر چھوڑا ہے۔

ڈاکٹر صاحب کے متعلق مشہور تھا کہ آپ نے بہت سی کتابیں خود لکھ کر دوسروں کے نام سے بھی شائع کروائی ہیں لیکن محترمہ سدیدہ کو دیئے گئے انٹرویو سے پتا چلتا ہے کہ یہ آپ کی مستقل تصانیف نہیں تھیں بلکہ جو لوگ کتب لکھنے میں ڈاکٹر صاحب سے معاونت طلب کرتے تھے ان کی خواہش پر آپ کتاب کا کچھ حصہ لکھ دیا کرتے تھے اور مواد فراہم کر دیتے تھے۔

کسی بھی شخصیت کے متعلق سب سے مستند مواد وہ ہوتا ہے جسے وہ خود قلم بند کرے اور یہ زیادہ تر خودنوشت سوانح حیات، مکتوبات اور اس کی اپنی کتب کے مختلف مقامات پر ہوتا ہے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے مکتوبات اور کتب سے ان کی زندگی کے کئی گوشے اجاگر ہوتے ہیں اور زیادہ تر مواد ان لوگوں نے فراہم کیا ہے جن کے ڈاکٹر صاحب سے کسی بھی طرح کے علمی روابط رہے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنی خودنوشت سوانح حیات بھی مرتب کی تھی مگر وہ محفوظ نہ رہ سکی۔ اسے ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

> مجھے اپنی سوانح عمری پسند نہیں، قدرت سے تنبیہ ہوئی ہے، کوئی ستر بہتر سال قبل بچپن میں ایک مرتبہ میں نے اپنی سوانح عمری لکھی تھی۔ بلا اطلاع بڑے بھائی حبیب اللہ صاحب نے ایک مرتبہ میری غیر موجودگی میں اسے پڑھا اور تعریف بھی کی کہ بہت دلچسپ ہے پھر جلدی ہی اسے دیمک لگ گئی۔ آس پاس کے دیگر کاغذات اور کتابوں کو کچھ نہ ہوا۔ صرف سوانح عمری کو دیمک چاٹ گئی، اب سوانح عمری سے نفرت ہو گئی ہے۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ اپنی پوری زندگی علم دین کی نشر و اشاعت اور تحقیق و تدوین میں گزار کر ۹۵ برس کی عمر میں ۱۷ دسمبر ۲۰۰۲ء کو نماز فجر پڑھ کر سوئے اور اسی حالت میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے اور اپنے پیچھے علمی ورثہ کے ساتھ اپنا نام چھوڑ گئے۔

تاریخ مباحثہ لاہور

تحفظ ختم نبوت کی ایک تاریخی دستاویز

سید صابر حسین شاہ بخاری قادری

فتح باب نبوت پہ بے حد درود
ختم دور رسالت پہ لاکھوں سلام

مسیلمۂ پنجاب مرزا غلام احمد قادیانی آنجہانی کے چیلنج اور لاف زنی کے جواب میں اگست ۱۹۰۰ء میں تاریخی بادشاہی مسجد لاہور میں ایک فیصلہ کن مباحثہ طے ہوا جس میں اہل اسلام کی جانب سے مرزا آنجہانی سے مباحثہ کے لئے سلطان العلماء قبلہ عالم حضرت اعلیٰ پیر سید مہر علی شاہ گیلانی گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ علماء و مشائخ کے جھرمٹ میں حاضر ہوئے۔ اس تاریخی مباحثہ کے حوالے سے کئی صاحبانِ علم و فضل نے قلم اٹھایا ہے۔ ان میں علامہ مفتی فیض احمد فیض رحمۃ اللہ علیہ نے ''مہر منیر''، علامہ شاہ حسین گردیزی نے ''مہر جہاں تاب''، ''تجلیات مہر انور''، حاجی نواب الدین چشتی گولڑوی نے ''آفتاب گولڑہ اور فتنہ مرزائیت''، مولانا محمد صدیق ہزاروی نے ''حضرت پیر سید مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ اور رد قادیانیت'' مولانا غلام یٰسین گولڑوی نے ''عقیدہ ختم نبوت و پاسبان ختم نبوت''، میجر غضنفر عباس قیصر فاروقی نے ''فتح مبین در اثبات ختم نبوت'' اور غلام دستگیر فاروقی نے ''تاجدار گولڑہ اور جہاد ختم نبوت'' میں اس تاریخی مباحثہ کو زیر بحث لایا ہے۔

اسی طرح ماہ نامہ ''تبیان'' کراچی کے ''مجدد گولڑوی نمبر''، ماہ نامہ ''ضیائے حرم'' کے ''ختم نبوت نمبر''، ماہ نامہ ''لا نبی بعدی'' لاہور کے ''مجاہدین ختم نبوت نمبر''، ماہ نامہ ''مہر منیر'' اسلام آباد کے ''خاتم النبیین نمبر'' اور ماہ نامہ ''الحقیقہ'' شکر گڑھ کے ''تحفظ ختم نبوت نمبر'' میں بھی اس تاریخی مباحثہ کو زیر بحث لایا گیا ہے۔

کچھ عرصہ قبل صادق علی زاہد نے ''سیف مہریہ بر فتنہ مرزائیہ'' میں اس مباحثے پر قدرے تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔
لیکن اہل سنت کے شاہین صفت نوجوان ڈاکٹر محمد ثاقب رضا قادری زید مجدہ اب ایک ایسی عظیم و ضخیم اور معرکۃ الآراء کتاب ''تاریخ مباحثہ لاہور'' لے کر سامنے آئے ہیں۔

آپ نے حسب سابق اس کتاب میں بھی تحقیق انیق کا حق ادا کر دیا ہے۔ آپ نہایت متانت اور سنجیدگی سے اس تاریخی مباحثہ لاہور کے تفصیلی و تحقیقی احوال کو صفحۂ قرطاس پر لے کر آئے ہیں۔

یہ کتاب جہاں ''مہریات'' کے حوالے سے اب تک شائع ہونے والی کتابوں میں سے اپنی موضوع پر انتہائی وقیع اور بے مثال و لاجواب کتاب ہے۔ وہاں رد قادیانیت میں بھی تاریخی مباحثہ لاہور میں اب تک شائع ہونے والی کتابوں میں

بھی اس کی مثال ملنا محال ہے۔ آپ نے نہایت محققانہ اور مؤرخانہ انداز میں اس تاریخی مباحثہ کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ لیا ہے۔ کتاب کے مآخذ و مراجع پر نظر ڈالیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ فاضل محقق نے اس مباحثہ کے حوالے سے اس وقت (۱۹۰۰ء) کے ان تمام اخبارات و رسائل کو نہایت باریک بینی سے مطالعہ کیا ہے جن میں اس مباحثہ کو کسی نہ کسی طرح زیر بحث لایا گیا تھا۔ اس عہد کا شاید ہی کوئی ایسا اخبار یا رسالہ ہو جو ڈاکٹر محمد ثاقب رضا قادری کی عقابی نگاہ کے سامنے نہ آیا ہو۔

آپ نے قادیانی اخبارات و رسائل کو بھی کھنگالا اور انہیں اس تاریخی مباحثہ کے حوالے سے آئینہ دکھایا ہے اور اس مباحثہ کے حوالے سے ان کی جانب سے پھیلائی گئی غلط فہمیوں کا نہایت ہی احسن انداز میں ازالہ کیا ہے۔ آپ کی اس معرکۃ الآراء کتاب سے یہ حقیقت بھی طشت از بام ہو جاتی ہے کہ ۱۹۰۰ء میں بادشاہی مسجد لاہور میں مسیلمۂ پنجاب مرزا غلام احمد قادیانی کے خلاف برپا ہونے والا مباحثہ فتنہ قادیانیت میں آخری کیل ثابت ہوا ہے۔

ماشاء اللہ، فاضل محقق کا راہوار قلم اس بار بھی خوب چلا ہے، کتاب میں مناسب مواقع پر عنوانات، پیرا بندی اور حواشی سے کتاب کی تحقیقی وتنقیدی حیثیت عیاں ہو جاتی ہے۔

فاضل محقق فتنہ قادیانیت کے حوالے سے نئے زاویوں سے سوچتے ہیں اور پھر ان سوچوں کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اپنے اہداف کا تعین کرتے ہیں اور مطلوبہ مواد کو کتابی صورت میں لے آتے ہیں۔ اب تک آپ کئی معرکے سر کر کے علمی و تحقیقی میدان میں اپنا لوہا منوا چکے ہیں۔ ''تاریخ مباحثۂ لاہور'' بھی آپ کا ایک ایسا زندہ و جاوید کارنامہ ہے جسے شہرت عام اور بقائے دوام حاصل رہے گا۔

ناچیز ہیچ مدان، جناب ڈاکٹر محمد ثاقب رضا قادری کو تحفظ ختم نبوت کے حوالے سے یہ تاریخی دستاویز منصۂ شہود پر لانے پر دل کی اتھاہ گہرائیوں سے مبارک باد اور ہدیہ تبریک پیش کرتا ہے۔

ختم نبوت کے حوالے سے اس یادگار تاریخی دستاویز کو منظر عام پر لانے کا سہرا محمد کامران مقصود کے سر جاتا ہے جنہوں نے نہایت آب و تاب سے اسے اپنے ادارہ ورلڈ ویو پبلشرز لاہور کے زیر اہتمام شائع کرنے کا شرف حاصل کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے محبوب مکرم حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کے طفیل فاضل محقق، اس کے ناشر کی کاوشوں کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت سے نوازے بلکہ اس کے تمام قارئین کو دنیا و آخرت میں کامیابی و کامرانی عطا فرمائے اور ہم سب کا خاتمہ بالخیر فرمائے۔

آمین ثم آمین۔ یارب العالمین

بجاہ سید المرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وازواجہ وذریتۂ واولیاء امتہ وعلماء ملتہ اجمعین۔

حضرت خواجہ نور محمد مہاروی قدس سرہٗ

صاحبزادہ محمد عرفان تو گیروی

حضرت خواجہ نور محمد مہاروی ؒ کا شمار برصغیر پاک و ہند کے جید اولیاء کرام میں ہوتا ہے۔ آپ اپنے زمانے کے صاحبِ کمال بزرگ تھے۔ آپ کھرل خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ کھرل پنوار قوم کی ایک شاخ ہے۔ آپ کی ولادت ۱۱۴۲ھ میں ۱۴ رمضان المبارک کی رات ہوئی۔ آپ کی جائے ولادت قصبہ چوٹالہ ہے جو کہ مہار شریف سے تین کوس (تقریباً ۹ کلومیٹر) کے فاصلہ پر مشرق کی طرف ہے۔ آپ کے آباؤ اجداد اسی بستی میں رہتے تھے۔ بعدازاں آپ کے والد ماجد اس قصبہ سے نقل مکانی کر کے مہار شریف میں قیام پذیر ہو گئے۔ آپ چار بھائی تھے۔ سب سے بڑے ملک سلطان تھے۔ دوسرے ملک برہان، تیسرے خواجہ نور محمد مہاروی ؒ خود اور چوتھے ملک عبدل۔ آپ کی ایک بہن بھی تھیں۔ آپ کے پوتے صاحبزادہ غلام فرید مہاروی سے منقول ہے کہ اُن کے والد گرامی فرماتے تھے کہ جب حضرت قبلہ عالم غریب نواز ؒ کی عمر مبارک پانچ، چھ سال کی ہوئی تو آپ کے والدین آپ کو حافظ محمد مسعود مہار کے پاس لے گئے۔ حافظ محمد مسعود مہار اس زمانہ میں ایک صالح اور متقی بزرگ تھے جو بچوں کو قرآن پاک کا درس دیا کرتے تھے۔ آپ نے حافظ صاحب مذکور سے قرآن پاک پڑھنا شروع کیا اور بہت جلد نہ صرف قرآن پاک ناظرہ ختم کر لیا بلکہ حفظ بھی کر لیا۔ اس کے بعد مہار شریف سے پانچ، چھ کوس (تقریباً ۱۵ یا ۱۸ کلومیٹر) کے فاصلے پر واقع موضع بھڈیرہ میں تعلیم حاصل کرنا شروع کی۔ بعدازاں پاکپتن شریف کے نواح میں موضع بلانہ تشریف لے گئے جہاں شیخ احمد کھوکھر سے چند کتب پڑھیں۔ پھر ڈیرہ غازی خان کی طرف چلے گئے اور وہاں شرح مُلّا تک کتابیں پڑھیں۔ اس کے بعد مزید علم حاصل کرنے کے لیے حضرت خواجہ محکم الدین سیرانی ؒ کی رفاقت میں لاہور چلے گئے۔

حضرت خواجہ نور محمد مہاروی قدس سرہٗ (م ۱۲۰۵ھ) فرماتے ہیں کہ ”میں اور خواجہ محکم الدین سیرانی ؒ لاہور میں ایک ہی جگہ تعلیم حاصل کرتے تھے اور یہاں پر عرصہ تعلیم کے دوران نانِ شبینہ (رات کی روٹی کی خاطر) صاحب ثروت و امراء حضرات کی فیاضی کا امتحان بھی لیتے رہے۔ میاں محکم الدین سیرانی ؒ عمر میں مجھ سے بڑے تھے۔ (لاہور میں آپ دونوں حضرات کس جگہ پڑھتے رہے؟ اور کن کن اساتذہ سے اکتساب فیض کیا؟ قدیمی و تاریخی کتب میں اس کا تذکرہ نہیں ملتا۔) چند دن کے بعد میں پاکپتن شریف کی طرف چلا آیا اور خواجہ محکم الدین سیرانی ؒ کسی دوسری طرف چلے گئے۔“ حضور قبلہ عالم غریب نواز ؒ چند دن وطن میں رہے، وہاں سے دہلی چلے گئے اور نواب غازی الدین خان ؒ کے مدرسہ میں حافظ برخوردار ؒ سے ”کافیہ“ کا درس شروع کر دیا۔ تکملہ سیر الاولیاء میں لکھا ہے کہ آپ نے علم دین کی تکمیل کی اور اجازت و سند حدیث حاصل کی۔

مناقب المحبوبین میں لکھا ہے کہ حضور قبلہ عالم حضرت خواجہ نور محمد مہاروی ؒ ۱۱۶۵ھ میں حضرت مولانا خواجہ فخر جہاں دہلوی ؒ کے مرید ہوئے۔ خواجہ فخر جہاں دہلوی ؒ کی دہلی میں تشریف آوری کے بعد پاکپتن شریف روانہ ہونے سے قبل اور ماہ رمضان شریف سے دو ماہ قبل حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی ؒ کے عرس کے دن آپ حلقہ ارادت میں داخل ہوئے۔ اس سلسلہ میں ایک دن آپ نے فرمایا کہ جب بندہ نے بیعت کے لیے حضرت

خواجہ فخر جہاں دہلوی ﷫ سے عرض کی تو فرمایا پہلے استخارہ کرو۔اس کے بعد جو اشارہ تجھے ملے گا اسی کے مطابق عمل کرو کہ یہی دستور ہے۔جب حکم کے مطابق رات کے وقت خصوصی ورد پڑھ کر سویا تو خواب میں دیکھا کہ ایک شخص نے پکے ہوئے کھانے کا بڑا برتن میرے ہاتھ میں دیا اور حضرت خواجہ فخر جہاں دہلوی ﷫ کا جُبہ میری گردن میں ڈال دیا اور خود حضرت صاحب ﷫ آگے آگے جا رہے ہیں اور بندہ حضرت صاحب ﷫ کے پیچھے پیچھے جا رہا ہے۔جب صبح ہوئی تو خواجہ فخر جہاں دہلوی ﷫ کی زیارت کے لیے حاضر ہوا۔فرمایا رات کے استخارہ کی حقیقت بیان کرو۔جو معلوم تھا عرض کر دیا۔پس فرمایا کہ چند دن کلمہ استغفار پڑھو۔میں نے اسے بھی چند دن پڑھا۔اس سے فراغت کے بعد حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی ﷫ کے مزار کے قریب ایک قبر کے سرہانے بیٹھ کر مجھے بیعت فرمایا تو میں نے اس پر ربّ العالمین کا انتہائی شکر ادا کیا۔چنانچہ بندہ جب دوسری مرتبہ دہلی گیا تو خواجہ فخر جہاں دہلوی ﷫ ایک دن حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی ﷫ کی زیارت کے لیے گئے، بندہ بھی ہمراہ تھا۔فرمایا کہ یہ جگہ یاد ہے؟ میں نے عرض کیا کہ حضور یاد ہے۔یعنی جس جگہ مجھے بیعت کیا تھا اس جگہ کی نشان دہی فرما رہے تھے۔

مشائخ سلسلہ عالیہ چشتیہ کا یہ راسخ عقیدہ ہے کہ شریعت یعنی قرآن وسنت پر عمل پیرا ہوئے بغیر روحانی ترقی قطعاً ممکن نہیں۔طریقت کی پہلی منزل ہی شریعت ہے۔حضرت شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی ﷫ اپنے مکتوبات میں لکھتے ہیں کہ سلسلہ طریقت میں داخل ہونے والے تمام لوگوں کو تاکید کریں کہ ظاہر کو شریعت سے آراستہ رکھیں اور باطن کو اللہ تعالیٰ کی محبت سے پیراستہ کریں۔محبّ النبی حضرت مولانا خواجہ فخر جہاں دہلوی ﷫ کے بارے میں ملفوظات میں مرقوم ہے کہ آپ خود بھی معمولی سے معمولی باتوں میں سنت کا خیال رکھتے تھے اور احباب، خلفاء و مریدین کو بھی تلقین و تاکید فرمایا کرتے تھے۔مناقب فخریہ میں ہے کہ چھوٹی اور بڑی ہر بات میں خود اتباع سنت نبوی ﷺ کرتے تھے اور لوگوں کو بھی اس بارے میں از حد تاکید کرتے تھے۔حضرت مظہر جمال الٰہی ﷫ فرماتے تھے کہ میں ملتان سے آپ کے لیے چمچے لے کر گیا تو آپ نے دریافت کیا کہ یہ کس کام آتے ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ یہ کھانے کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔آپ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ اس وقت سے محفوظ رکھے جب یہ حالت پیش آئے۔یعنی مرض کی حالت میں جب ہاتھ کام نہیں کرتے تو چمچے کام کرتے ہیں۔آپ کا مدعا یہ تھا کہ جو چیز نبی کریم ﷺ سے مروی نہیں ہے، اُسے بغیر ضرورت استعمال کا کیا فائدہ ہے۔سبحان اللہ! کیا کمال متابعت تھا۔

حضرت خواجہ نور محمد مہاروی ﷫ کی نظر میں اتباع شریعت کا کیا مقام تھا اور دل میں شریعت کا کس قدر احترام تھا، اس کا اندازہ آپ کے اس قول مبارک سے بھی لگایا جاسکتا ہے جو کہ مناقب المحبوبین میں موجود ہے کہ ''ظاہر کو احکام شریعت سے آراستہ کرنا چاہیے اور قلب کی درستی بھی اتباع شریعت سے ہوتی ہے اور عوام سے اُسی (شریعت) کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

قبلہ عالم حضرت خواجہ نور محمد مہاروی علیہ الرحمۃ کے تین بیٹے تھے۔

حضرت خواجہ نور الصمد شہید ﷫، حضرت خواجہ نور احمد مہاروی ﷫ اور حضرت خواجہ نور حسن منگھیر وی ﷫۔

حضرت قبلہ عالم خواجہ نور محمد مہاروی کا وصال ﷫ ۳ ذوالحجہ ۱۲۰۵ھ کو ہوا۔اس وقت آپ کی عمر تریسٹھ برس تھی۔

چلو مسجد اقصیٰ کی طرف

صادق رضا مصباحی

مسجد حرام اور مسجد نبوی کے بعد اسلامی تاریخ کا تیسرا مقدس ترین مقام اور عظیم ترین نشانی مسجد اقصیٰ ہے، جسے ہم بیت المقدس بھی کہتے ہیں۔ یہ وضاحت ضروری ہے کہ بیت المقدس ایک بہت بڑے احاطے کا نام ہے جس کے اندر کئی مقامات مقدسہ ہیں جن میں سے ایک مسجد اقصیٰ ہے۔ میڈیا کے ذریعے ہم لوگ جو تصویر دیکھتے ہیں وہ دراصل ایک مقدس مقام قبۃ الصخریٰ کی ہے۔ اس کی قدامت قریب قریب اتنی ہی ہے جتنی کہ مسجد حرام کی۔ دونوں کے بانی ایک ہی نبی ہیں، دونوں کی تعمیر جدید بھی انبیاء کرام علیہم السلام ہی نے کی اور دونوں ہی کے صحن میں انبیاء کرام علیہم السلام نے نمازیں ادا فرمائیں۔ نیز دونوں ہی مساجد کو قبلہ بننے کا شرف حاصل ہے۔ مسجد اقصیٰ قبلہ اول ہے اور مسجد حرام موجودہ قبلہ۔ معراج کی شب حضور نبی کریم ﷺ ربّ العٰلمین سے ملاقات کے لیے آسمانی سفر پر یہیں سے تشریف لے گئے اور یہیں پر تمام انبیاء کرام علیہم السلام نے حضور اکرم ﷺ کی امامت میں ایک ساتھ نماز ادا فرمائی۔

اسی لیے ہم مسلمان جس طرح مسجد نبوی اور مسجد حرام سے بے پناہ عقیدت رکھتے ہیں، اسی طرح مسجد اقصیٰ بھی ہماری گہری عقیدتوں کا مرکز و منبع ہے مگر گذشتہ کئی دہائیوں سے ہم نے مسجد اقصیٰ کے ساتھ جو سلوک روا رکھا ہے، اس نے ہماری عقیدت، وراثت، روایت اور نبی کریم ﷺ سے ہمارے عشق و محبت کے دعویٰ پر کئی سنجیدہ قسم کے سوالات پیدا کر دیے ہیں۔ ان میں ایک اہم ترین اور بنیادی سوال یہ ہے کہ آخر کیا وجہ ہے کہ ہم مسجد حرام اور مسجد نبوی کے سفر کے لیے، دل میں جو زبردست تڑپ رکھتے ہیں اور ایک ایک پیسہ جوڑ کر سفر حج کو جاتے ہیں، ہم اہل ثروت مسلمانوں کے دلوں میں وہ تڑپ، وہ جذبہ، وہ جنون، وہ شوق، وہ اظہار وابستگی اور وہ حوصلہ مسجد اقصیٰ کے لیے نہیں پاتے۔ پاکستان کی حد تک تو بات قابل فہم ہے کہ پاکستان کے اسرائیل کے ساتھ سفارتی تعلقات نہیں ہیں مگر بھارت سمیت دنیا کے دیگر خطوں میں بسنے والے بیشتر مسلمان کیوں اس تغافل کا شکار ہیں؟ حالاں کہ اللہ کے نبی ﷺ نے ثواب اور عبادت کی نیت سے جن تین مساجد کی طرف سفر کرنے کا حکم فرمایا ہے وہ یہی تین مساجد ہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ: الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَسْجِدِ الرَّسُولِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَسْجِدِ الْاَقْصَىٰ (صحیح بخاری: حدیث نمبر ۱۱۸۹)

یعنی (ثواب کی نیت سے) صرف تین مسجدوں کا ہی سفر کرو: مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ۔

یہ مبارک مسجد، عظمت و احترام، فضیلت اور بالخصوص حصولِ ثواب کے اعتبار سے مسجد حرام اور مسجد نبوی کے بعد بلند ترین مرتبے کی حامل ہے۔ مختلف احادیث مبارکہ میں مختلف طرق سے اس کے بے شمار فضائل بیان ہوئے ہیں۔ مسجد

اقصیٰ میں نماز پڑھنے کا کیا انعام ملتا ہے، رسول اکرم ﷺ کی زبانی سنیے:

صَلَاةُ الرَّجُلِ فِي بَيْتِهِ بِصَلَاةٍ وَصَلَاتُهُ فِي مَسْجِدِ الْقَبَائِلِ بِخَمْسٍ وَعِشْرِينَ صَلَاةً وَصَلَاتُهُ فِي الْمَسْجِدِ الَّذِي يُجَمَّعُ فِيهِ بِخَمْسِ مِائَةِ صَلَاةٍ وَصَلَاتُهُ فِي الْمَسْجِدِ الْاَقْصَى بِخَمْسِينَ اَلْفِ صَلَاةٍ وَصَلَاتُهُ فِي مَسْجِدِي بِخَمْسِينَ اَلْفِ صَلَاةٍ وَصَلَاةٌ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ بِمِائَةِ اَلْفِ صَلَاةٍ (سنن ابن ماجہ: حدیث نمبر ۱۴۱۳)

(ثواب کے اعتبار سے) آدمی کی نماز اپنے گھر میں ایک نماز کے برابر ہے، اس کی نماز محلے کی مسجد میں پچیس نمازوں کے برابر ہے، اس کی نماز جامع مسجد میں پانچ سو نمازوں کے برابر ہے۔ اس کی نماز مسجد اقصیٰ میں پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے۔ اس کی نماز میری مسجد (یعنی مسجد نبوی) میں پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے اور اس کی نماز مسجد حرام میں ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے۔

اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ مسجد اقصیٰ اور مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کا ایک ہی ثواب ہے یعنی پچاس ہزار نمازیں پڑھنے کا ثواب۔ نمازوں پر ثواب کے اعتبار سے نبی پاک ﷺ سے جو نسبت مسجد نبوی کو ہے تقریباً وہی نسبت مسجد اقصیٰ کو بھی حاصل ہے۔ البتہ مسجد نبوی کو رسالت مآب ﷺ کے وجود مبارک سے تبرک کی جو دولتِ گراں مایہ حاصل ہے وہ کائنات میں کسی بھی دوسرے مقام کو حاصل نہیں ہے۔ تاہم مسجد اقصیٰ کی عظمت پر قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

سُبْحَانَ الَّذِي اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَى الَّذِي بَارَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِيَهٗ مِنْ آيَاتِنَا اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ (سورۃ الاسراء:۱)

پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گئی، جس کے اردگرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں تاکہ ہم انھیں اپنی کچھ نشانیاں دکھائیں۔ یقیناً وہ ذات ہر بات سننے اور دیکھنے والی ہے۔

یہاں تین چیزیں بطور خاص سمجھنے کی ہیں:

۱۔ مسجد اقصیٰ کو اللہ عزوجل نے اپنی نشانی قرار دیا ہے۔

۲۔ حَوْلَهٗ سے یہ اشارہ کیا گیا کہ جب مسجد اقصیٰ کے اردگرد برکات رکھی گئی ہیں، اس کے اطراف وجوانب، اس کے مضافات، اس کی فضاؤں اور اس کے ماحول کو برکات سے مزین کیا گیا ہے حتیٰ کہ اس پوری سرزمین کی نہروں، درختوں، پھلوں اور پھولوں کو بھی برکات کی چادر سے ڈھانک دیا گیا ہے تو پھر عین مسجد اقصیٰ یا اندرون مسجد کی برکات کا کیا کہنا۔ ظاہر ہے جس جگہ امام الانبیاء ﷺ نے امامت فرمائی ہو، تمام انبیاء کرام علیہم السلام نے ان کی اقتدا میں نماز ادا کی ہو اور اسی جگہ سے سرور کائنات ﷺ مالک کائنات سے ملاقات کی خاطر معراج کے لیے تشریف لے گئے ہوں تو اس جگہ کی برکتوں اور عظمتوں کا تصور بھی ہمارے ذہن کی وسعتوں سے بالاتر ہے۔

۳۔ یہ آیت حضور نبی مکرم ﷺ کی عظمت وشان کی مظہر بھی ہے۔ مسجد اقصیٰ سفر معراج کی شب میں حضور اکرم ﷺ کی

پہلی منزل تھی۔ یہاں وہ کچھ دیر کے لیے رکے اور پھر آسمانی سفر پر تشریف لے گئے چنانچہ اللہ عزوجل نے حضور اکرم ﷺ کے قدم پاک کی برکت سے مسجد اقصیٰ کے اس پورے ماحول اور علاقے کو ہی ہمیشہ کے لیے پُرنور بنا دیا، اس کی فضاؤں کو برکتوں سے معمور کر دیا اور اس پیغام کو قیامت تک کے لیے قرآن کریم میں محفوظ بھی کر دیا۔

یہاں سوال ہم جیسے نکموں سے ہے جو قدم قدم پر اپنے نبی مکرم ﷺ سے محبت کا دم بھرتے ہیں، مگر ہمیں مسجد اقصیٰ کی طرف ترغیب دلانے والی اپنے نبی مکرم ﷺ کی مبارک احادیث یاد نہیں رہیں، اس مقدس مسجد کو ظالم یہودیوں کے پنجے سے چھڑانا تو بہت دور کی بات ہے ہم نے تو وہاں کا سفر بھی ترک کر دیا اور ستم یہ ہوا کہ اسے اپنی حکمت اور مصلحت سے تعبیر کیا۔ اناللّٰہ واناالیہ راجعون۔

اس مسجد کی عظمت و برکت کا ایک اور نشان دیکھیے اور سوچیے کہ آخر ہم نے کیوں خود کو اس کی زیارت کے ثواب سے محروم کر رکھا ہے۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں:

سَاَلْتُ رَسُولَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ اَوَّلِ مَسْجِدٍ وُضِعَ فِی الْاَرْضِ؟ قَالَ:اَلْمَسْجِدُ الْحَرَامُ قُلْتُ: ثُمَّ اَیٌّ؟ قَالَ: اَلْمَسْجِدُ الْاَقْصٰی قُلْتُ: کَمْ بَیْنَھُمَا؟ قَالَ: اَرْبَعُونَ عَامًا ثُمَّ الْاَرْضُ لَکَ مَسْجِدٌ فَحَیْثُمَا اَدْرَکَتْکَ الصَّلَاۃُ فَصَلِّ (صحیح مسلم: حدیث نمبر ۲۵۰)

میں نے رسول اللہ ﷺ سے روئے زمین پر سب سے پہلے تعمیر کی جانے والی مسجد کے حوالے سے سوال کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: مسجد حرام۔ میں نے سوال کیا: پھر کون سی مسجد؟ آپ نے فرمایا: مسجد اقصیٰ۔ میں نے سوال کیا: ان دونوں کی تعمیر کے دوران کتنا وقفہ ہے؟ آپ نے فرمایا: چالیس سال۔ پھر پوری زمین تمہارے لیے مسجد ہے، جہاں بھی تمھیں نماز کا وقت آجائے، نماز پڑھ لو۔

اس حدیث سے سمجھ میں آیا کہ دنیا میں اللہ کی وحدانیت کا اعلان کرنے والی سب سے پہلی مسجد، مسجد حرام ہے، پھر اس کے بعد مسجد اقصیٰ اور دونوں کی تعمیر میں چالیس سال کا وقفہ ہے۔

مسجد حرام کی بنیاد حضرت آدم علیہ السلام نے رکھی اور مسجد اقصیٰ کے بانی بھی حضرت آدم علیہ السلام ہی ہیں۔ البتہ مسجد حرام بلکہ یوں کہہ لیں کہ کعبہ مقدسہ کی تعمیر جدید حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کی اور مسجد اقصیٰ کی تعمیر جدید حضرت یعقوب علیہ السلام یا حضرت داؤد علیہ السلام نے کی لیکن اس کی تکمیل کا فریضہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے ذریعے انجام کو پہنچا۔ بیت المقدس کی یہ سرزمین انبیائے بنی اسرائیل کا مسکن رہی ہے جن میں حضرت داؤد، حضرت یعقوب، حضرت سلیمان، حضرت زکریا، حضرت یحییٰ، حضرت اسحٰق اور حضرت ابراہیم علیہم السلام کے اسماء گرامی تاریخ نے محفوظ کر دیے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اسی سرزمین سے اپنی مقدس دعوت کا آغاز فرمایا۔ یہ سرزمین نہ جانے کتنے انبیاء کرام کا مدفن ہے۔ یہ مہبط ملائکہ ہے۔ یہاں وحی نازل ہوئی ہے اور یہی وہ سرزمین ہے جہاں قیامت قائم ہوگی اور جہاں شروع

سے اخیر تک کے سارے انسان جمع ہوں گے۔

مسلمانوں کی یہ مقدس میراث حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد سے ہی مسلمانوں کے پاس رہی۔ ۱۴ ہجری میں حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں بیت المقدس فتح ہوا۔ مجموعی طور پر ۹۸۴ برسوں تک یہ مسلمانوں کے پاس رہا۔ جب ۴۹۳ھ میں پہلی صلیبی جنگ ہوئی اور یہ صلیبیوں کے ہاتھ میں چلا گیا، حضرت صلاح الدین ایوبی نے نوے سال کے بعد ۵۸۳ھ میں بیت المقدس فتح کیا اور یہ ۱۹۴۷ء تک مسلمانوں کے پاس رہا مگر ۱۴ مئی ۱۹۴۸ کو باقاعدہ طور پر فلسطین کی ہی پچپن فیصد جگہ پر ناجائز قبضہ کر کے ایک آزاد ملک اسرائیل کا اعلان کر دیا گیا۔ ان ۹۰ سالوں کے علاوہ عہد فاروقی سے ۱۹۴۸ء تک بیت المقدس ہمارے ہی پاس تھا۔ اِدھر ۷۴ سالوں سے غاصب یہودی اس پر قابض ہیں مگر آج بھی مسجد اقصیٰ، اس کا انتظام وانصرام اردن کی ''وزارتِ اوقاف اور شئونِ مقدّسات اسلامیہ'' کے تحت ہے۔

مسجد اقصیٰ مسلمانوں کا وہ عظیم ترین سرمایہ ہے جس کے لیے مسلمانوں نے بے شمار جانوں کا نذرانہ پیش کیا ہے، اس کے لیے ترکی کی ساڑھے چھ سوسالہ عثمانی سلطنت کے حصّے بخرے کر دیے گئے اور اس کی وجہ سے آج بھی فلسطینی مسلمان شہید کیے جا رہے ہیں۔ اسرائیل اور فلسطین کے درمیان کئی جنگیں ہو چکی ہیں اور جھڑپیں تو روز کا معمول ہیں جس میں زیادہ تر نقصان فلسطینیوں کا ہی ہوتا ہے مگر دنیا کا کوئی بھی ملک عملی طور پر ان مظلوم فلسطینیوں کے لیے کچھ نہیں کر رہا۔ ظاہر ہے جب ہم ہی اپنے لیے کچھ نہیں کریں گے تو کوئی دوسرا کیوں ہماری مدد کرے گا۔ ہم جب خود ہی اپنی اس مقدس امانت کو فراموش کیے بیٹھے ہیں تو کوئی دوسرا کیوں ہمارے لیے لڑے گا۔ ہر انسان کو اپنے حق کی لڑائی خود لڑنا پڑتی ہے مگر ہم مسلمانوں کی بد قسمتی ہے کہ خود تو کچھ کرتے نہیں مگر صرف مظاہرے کر کے اپنی اپنی حکومتوں سے توقع کر کے بیٹھ جاتے ہیں۔ ذرا سوچیے کہ ہم حج پر حج کرتے ہیں اور عمرے پہ عمرے۔ نہ جانے کتنے لوگ ہیں جو درجن بھر سے زیادہ عمرہ کر چکے ہیں۔ ہر سال رمضان المبارک میں عمرہ کرنے حاضر ہوتے ہیں مگر آخر کیوں مسجد اقصیٰ کا سفر ہماری ترجیحات میں نہیں ہوتا؟ بے شمار فضائل و برکات اپنے اندر سمیٹے ہوئے اس مقام کے ساتھ یہ سلوک کیوں؟

اگر ہم مسجد اقصیٰ کا سفر کریں تو ایک طرف ہم مذکورہ حدیث نبوی پر عمل کریں گے اور وہاں کی برکات سے اپنے دامن بھریں گے تو دوسری طرف اپنے ان فلسطینی بھائیوں کی حوصلہ افزائی کا سبب بھی بنیں گے جو ۷۴ سالوں سے لگاتار اسرائیلی بربریت کا شکار ہیں اور نہتے ہونے کے باوجود اسرائیل کے جدید ترین ہتھیاروں کے سامنے سینہ سپر ہیں۔ ہمارے فلسطینی بھائی دنیا بھر کے مسلمانوں کو پکار رہے ہیں، انہیں بھولا ہوا سبق یاد دلا رہے ہیں مگر ہم سب نے اپنے کانوں میں روئی ٹھونس رکھی ہے۔ ستاون مسلم ممالک کے باوجود ہماری آواز کمزور ہے۔ ۷۴ سالوں سے لگاتار اسرائیل کا حجم بڑھتا جا رہا ہے اور فلسطین کا رقبہ سکڑتا چلا جا رہا ہے۔

یہ سراسر ظلم ہے مگر پوری دنیا اس بدترین ظلم پر خاموش ہے۔ نہ صرف یہ کہ خاموش ہے بلکہ اسرائیلی مظالم کی خاموش

حمایتی ہے۔ ہر سال ماہ رمضان المبارک میں اسرائیلی فوجیوں کے پیٹ میں درد شروع ہو جاتا ہے اور اسرائیل فلسطینیوں پر چڑھ دوڑتا ہے۔ مسجد اقصیٰ میں نماز میں مشغول مسلمانوں پر اچانک حملہ کر دیا جاتا ہے اور پوری مسجد کو یرغمال بنالیا جاتا ہے۔ امسال بھی رمضان میں یہی کیفیت رہی۔ دنیا کے کئی ممالک اسرائیل کے ساتھ کھڑے ہیں۔ ستاون مسلم ممالک کی تنظیم او آئی سی بھی صرف جلسہ کرتی ہے اور مذمتی قرارداد پاس کر کے خاموش بیٹھ جاتی ہے۔ دراصل وہ اس کے سوا کچھ کر بھی نہیں سکتی کیوں کہ بیشتر عرب ممالک کے حکمران ضمیر فروش ہیں، صرف ان کا ظاہر مسلمان ہے، اندرونی طور پر وہ ان کافروں کے پکے دوست ہیں جن کے لیے مفادات ہی سب سے عزیز ہوتے ہیں۔

بیت المقدس یہودیوں کے نزدیک ان کے مذہب کا مقدس ترین مقام ہے۔ ان کے عقیدے کے مطابق ان کا آخری مسیحا یہیں آئے گا۔ یاد رہے کہ ان کا مسیحا وہ نہیں جنہیں ہم مسلمان مسیحا مانتے ہیں بلکہ ان کا مسیحا وہ ہوگا جسے ہم دجّال کے نام سے جانتے ہیں۔ بیت المقدس کے علاوہ ان کے کئی دیگر مقدس مقامات بھی یہیں آس پاس ہیں۔ اس لیے وہ اس سرزمین کو اپنی وراثت سمجھتے ہیں اور اس راہ میں آنے والی ساری رکاوٹوں کو ختم کرنے کے لیے وہ کسی بھی حد تک چلے جاتے ہیں۔ ہمارے عقیدے میں بھی بیت المقدس کا مقام بہت عظیم ہے مگر ہم ٹھہرے نکمّے، ہم سے کچھ نہیں ہو رہا ہے۔ ہم نام کے مسلمان صرف جذباتی ہیں اور زیادہ تر جذباتیت، جہالت کا زائیدہ ہوتی ہے۔ مزید برآں جرم ضعیفی کی سزا موت کے علاوہ بھلا اور کیا ہو سکتی ہے۔

ہم اگر کچھ نہیں کر سکتے تو فی الحال ہمیں ایک کام کسی بھی قیمت پر کرنا ہی ہوگا اور وہ ہے مسجد اقصیٰ کا زیادہ سے زیادہ سفر۔ جیسے ہم مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ حاضر ہوتے ہیں اسی طرح یروشلم بھی جائیں۔ یہودیوں کا منصوبہ تھا کہ وہ بیت المقدس پر قبضہ کر کے اس پر کنٹرول حاصل کر لیں گے اور مسلمانوں کے داخلے پر پابندی عائد کر دیں گے۔ وہ اپنے منصوبے میں کامیاب ہو رہے ہیں، اب یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم انہیں ان کے منصوبوں میں کامیاب نہ ہونے دیں اور بیت المقدس کی زیارت کے لیے سفر اختیار کریں۔ پاکستان کے مسلمانوں کے لیے سیاسی و ریاستی وجوہات کی بنا پر ایسا کرنا مشکل ہے جبکہ باقی دنیا بھر میں بسنے والے مسلمان تو یہ کر سکتے ہیں تاکہ فلسطینی مسلمانوں کی حوصلہ افزائی ہو اور انہیں یہ احساس نہ ہو کہ وہ دنیا میں یکہ و تنہا رہ گئے ہیں۔ بیت المقدس کی حفاظت صرف فلسطینی مسلمانوں کی ہی نہیں بلکہ ہماری بھی ذمہ داری ہے۔ ہم سے ہماری ذمہ داری کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

اس باب میں ہمیں بوہری فرقے سے متعلق یہ جان کر حیرت ہوگی کہ ان کے یہاں سال میں ایک مرتبہ بیت المقدس کا سفر لازمی طور پر کیا جاتا ہے۔ یہ ان کے عقیدے کا حصہ ہے مگر ہم حالات کی خرابی کا بہانہ بنا کر خوف اور بزدلی کا شکار ہو جاتے ہیں اور اسے حکمت و مصلحت جیسے خوب صورت الفاظ میں پیش کرتے ہیں۔ اگر بوہری حضرات مشکلات اور خوف کے باوجود وہاں کا سفر کر سکتے ہیں تو ہم کیوں نہیں کر سکتے۔ بوہریوں کے علاوہ بہت سارے سیاح بھی شوقیہ طور پر یا مذہبی جذبے کے ساتھ وہاں کا سفر کرتے ہیں۔ دراصل جب شوق دامن گیر ہو تو بڑی سی بڑی مشکلات بھی بکھر جاتی

ہیں اور ہمارے لیے تو ہماری عقیدت اور ہماری میراث ہی سب سے بڑی حقیقت ہے۔ اس لیے مشکلات اور حالات کی ابتری کوئی معنی نہیں رکھتی۔ اگر آج بھی مسلمان بیت المقدس کی طرف متوجہ ہو جائیں تو ممکن ہے کہ ہم اسرائیلی مظالم بالکلیہ ختم نہ کر سکیں لیکن شاید کم ضرور کر دیں۔ اگر کچھ اور نہیں کر سکتے تو یہی کریں اور قیامت کے دن نبی کریم ﷺ کے سامنے خود کو شرمسار ہونے سے بچائیں۔

دوسرا اہم کام یہ کرنا ہوگا کہ ہمیں بیت المقدس کا مقدمہ اب مذہبی بنیادوں سے زیادہ انسانی بنیادوں پر لڑنا ہوگا۔ سات دہائیوں سے ہم اسے مذہب کے غلاف میں دنیا کے سامنے پیش کرتے رہے اور اپنا کیس کمزور کرتے رہے۔ اس کا نتیجہ ہمیشہ الٹا ہی نکلا۔ فلسطینیوں کا حال بد سے بدتر ہوتا گیا اور اسرائیل کے منصوبے کامیاب ہوتے گئے۔ اس لیے اب تھوڑا سا رخ بدل کر دیکھتے ہیں۔ ارے بھئی! دنیا کو ہمارے مذہبی معاملات سے کیا غرض؟ ہم اسے حقوق انسانی کا مقدمہ بنا کر پیش کریں تو ممکن ہے کہ دنیا کا اجتماعی شعور ہمارے ساتھ کھڑا ہو جائے۔

اس کے ساتھ ساتھ ہمیں فلسطین و اسرائیل قضیے کو گہرائی سے سمجھنے کی ضرورت ہے۔ ہم عموماً مذہبی معاملات میں جذبات کی خرید و فروخت کرتے ہیں۔ ہمیں اپنی دوسری آنکھ کی پٹی اتار کر اس کا مطالعہ کرنا چاہیے کہ کہیں یہ مذہب سے زیادہ سیاسیات اور مفادات کا معاملہ تو نہیں ہے۔

ایک اور حقیقت کی طرف بھی توجہ مرکوز رکھیے کہ اسرائیل اس وقت دنیا کا طاقت ور ترین ملک ہے، صرف سائبر سیکورٹی میں دنیا کی پوری سرمایہ کاری کا بیس فیصد حصہ اسرائیل کو جاتا ہے۔ اس اسرائیل کو جس کی کل آبادی دنیا کی مجموعی آبادی کا ایک فیصد بھی نہیں ہے۔ یہ سرمایہ کاری کس لیے ہے؟ کیا اس لیے کہ دنیا کو فلسطین اور مسلمانوں سے عداوت اور یہودیوں اور اسرائیل سے محبت ہے؟ نہیں، بلکہ اس لیے کہ وہ اس قابل ہے اور اس نے دنیا کو اپنے ساتھ تجارت کرنے پر مجبور کر رکھا ہے۔ اس لیے ہمیں یہ رونا پیٹنا بند کرنا ہوگا کہ پوری دنیا فلسطینیوں اور مسلمانوں کے خلاف ہے۔ دنیا اس وقت اپنے تجارتی مفادات کو دیکھتی ہے۔ اسرائیل کے ساتھ دنیا کے تجارتی مفادات وابستہ ہیں۔

اس پس منظر میں ہم فلسطین کے لیے دنیا کے دلوں میں اگر کوئی نرم گوشہ پیدا کر سکتے ہیں تو وہ صرف انسانی حقوق کی پامالی کے مسئلے کو اجاگر کر کے ہی ہو سکتا ہے۔ فی الوقت کوئی دوسرا ممکنہ حل نظر نہیں آ رہا، جب تک کہ امت مسلمہ معاشی، سیاسی، حربی اور سائنس و ٹیکنالوجی کے میدان میں عالم کفر بالخصوص اسرائیل سے زیادہ طاقت ور نہیں ہو جاتی اور قریب قریب اس کا کوئی امکان نظر نہیں آ رہا۔ اس لیے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ مسجد حرام اور مسجد نبوی کے سفر کی سعادت حاصل کرنے والوں میں سے ایسے احباب جنہیں اللہ کریم نے دولت و ثروت اور وسائل سفر سے خوب نواز رکھا ہے، وہ اگر مسجد اقصیٰ کا سفر بھی کرتے اور مسلمان عالمی سطح پر اس مقدمے کو مذہبی بنیادوں سے زیادہ انسانی بنیادوں پر لڑتے تو ممکن تھا کہ آج فلسطینی مسلمان اس قدر مظالم نہ جھیل رہے ہوتے جن کا انہیں سامنا ہے۔ اللہ تعالیٰ مسجد اور فلسطینی مسلمانوں کی آزادی کی راہیں آسان فرمائے۔ آمین۔

حصہ دوم

اتحادِ امت: حضرت ضیاء الامت رحمۃ اللہ علیہ کی کاوشوں کا تجزیاتی مطالعہ

محمد جاوید اقبال کھارا

وطن عزیز پاکستان کے قیام کے بعد ملک دشمن اور دین دشمن قوتیں سرگرم عمل ہوگئیں اور یہاں کی دینی فضاء کو متشددانہ رنگ دے کر انتشار وافتراق کا ماحول پیدا کر دیا گیا۔ ایسے میں جن ہستیوں نے اس انتشار وافتراق کے خاتمے کے لیے اور وحدت امت کے لیے گراں قدر خدمات انجام دیں، حضرت ضیاء الامت جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ کا نام ان میں سرفہرست ہے۔ آپ نے اتحاد امت کے لیے ہمہ جہت اور ہمہ پہلو کام کیا۔ امت کے افتراق وانتشار پر آپ کا دل دردمند جو درد وکرب محسوس کرتا تھا وہ آپ کے الفاظ میں ملاحظہ ہو:

> یہ ایک بڑی دلخراش اور روح فرسا حقیقت ہے کہ مرور زمانہ سے اس امت میں افتراق اور انتشار کا دروازہ کھل گیا جسے واعتصموا بحبل اللّٰہ جمیعا ولا تفرقوا کا حکم دیا گیا تھا۔ یہ امت بھی بعض خودغرض اور بدخواہ لوگوں کی ریشہ دوانیوں سے متنازع گروہوں میں بٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی اور جذبات میں آئے دن کشیدگی اور تلخی بڑھتی جارہی ہے۔ (مقدمہ ضیاء القرآن)

ایک اور مقام پر آپ فرماتے ہیں:

> اگر واقعی ہمارا یہ احساس (اختلاف) مذاق نہیں بلکہ اپنے اندر سنجیدگی اور متانت رکھتا ہے تو آؤ سیسہ پلائی دیوار بن جائیں۔ کندھے سے کندھا جوڑ کر قدم بڑھائیں۔ اپنی بدنظمی اور پراگندگی کو نظم وضبط سے بدل دیں۔ ایک دوسرے کی عیب جوئی چھوڑ دیں۔ ایک دوسرے کے متعلق بدگمانیاں ترک کر دیں۔ ایک دوسرے سے کھچے کھچے نہ رہیں۔ شکووں اور شکایتوں کے دفتر تہ کر دیں۔ بدگمانیوں کی عادت چھوڑ کر شیر وشکر ہوجائیں۔ (سرِّ دلبراں، ماہنامہ ضیائے حرم، اکتوبر ۱۹۷۰ء)

علامہ محمد انور قریشی پرنسپل دار العلوم محمدیہ رضویہ پنڈ دادنخان اتحاد امت کے لیے پیر صاحب کی مساعی جمیلہ کے حوالے سے ضیائے حرم کے ''ضیاء الامت نمبر'' میں رقم طراز ہیں:

> حضرت ضیاء الامت رحمۃ اللہ علیہ کی یہ دعوت محض جذبات اور خواہشات سے مرکب نہ تھی بلکہ آپ کی زندگی کا مطالعہ کرنے والا ہر منصف مزاج محقق اس حقیقت کا برملا اعتراف کرتا ہے کہ ظاہر وباطن کا یہ سچا انسان جو دل میں محسوس کرتا وہی زبان پر لاتا اور جو زبان پر لاتا اس کو عملی جامہ پہناتا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی جملہ تحریری وتقریری، تدریسی وتبلیغی اور تنظیمی وتحریکی مساعی جمیلہ میں ہر جگہ جڑنے کا عمل ہی نظر آتا ہے۔
>
> (ماہنامہ ضیائے حرم، ضیاء الامت نمبر، ص ۲۶۰)

''ضیاء الامت نقیب اتحاد امت'' کے عنوان سے علامہ محمد انور قریشی کا یہ مقالہ ضیائے حرم کے ضیاء الامت نمبر میں موجود ہے۔اس میں انہوں نے نہایت احسن انداز میں حضرت ضیاء الامتؒ کی اتحاد امت کے لیے قلمی، تقریری و تبلیغی، تعلیمی و تربیتی خدمات اور صحافتی کردار پر بڑی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔قارئین تفصیلات وہاں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ قریشی صاحب مزید رقم طراز ہیں:

> امت مسلمہ نے جب کبھی لادینی نظریات کے خلاف اتحاد امت کی ضرورت محسوس کی تو آپ نے ہمیشہ ایسا جاندار کردار ادا فرمایا کہ اغیار بھی آپ کے احساس و اخلاص کی داد دیے بغیر رہ نہ سکے۔قومی و ملکی تاریخ کے اوراق گواہ ہیں کہ ۱۹۷۴ء میں تحریک ختم نبوت اور ۱۹۷۷ء میں تحریک نفاذ نظام مصطفیٰ میں حضرت ضیاء الامت کی ذات تحریک کی مرکزی شخصیات اور آپ کا ادارہ تحریکوں کے بنیادی مراکز میں شامل تھا۔ان دونوں تحریکوں میں امت مسلمہ کو اغیار کی دشمنیوں اور حکومت کی سختیوں کے ساتھ ساتھ مسلمان جاگیرداروں کی ریشہ دوانیوں اور سیاسی فتنہ سامانیوں کا بھی چیلنج درپیش تھا لیکن اس چومکھی یلغار میں حضرت ضیاء الامت کی ذات دینی افراد کے لیے بہترین ڈھال اور وجہ امان تھی۔(ص ۲۶۸)

واضح رہے کہ ان تحریکوں میں تمام مکاتب فکر نے مل کر کام کیا اور پوری قوم ایک پلیٹ فارم پر جمع ہوئی۔فروری ۱۹۷۶ میں ماہنامہ ضیائے حرم کے سردلبراں میں حضرت ضیاء الامتؒ نے پائیدار اتحاد کے لیے پانچ نکاتی فارمولا پیش فرمایا جس کی تلخیص پیش خدمت ہے:

۱۔ اتحاد کے داعی کو اپنی دعوت کی سچائی اور افادیت پر اتنا پختہ یقین ہونا چاہیے کہ اس راہ میں پیش آنے والی مشکلات سے کسی طرح ہراساں نہ ہو۔

۲۔ زیادتی کرنے والے فریق کو روکا جائے، جس کی حق تلفی ہو اس کی حق رسی کی جائے خواہ اس کا تعلق کسی بھی جماعت یا مکتب فکر سے ہو۔

۳۔ ہر ایک فریق کو اتنا وسیع الظرف ہونا چاہیے کہ وہ دوسرے فریق کی بات سنے، اس میں دیانت داری سے غور و فکر کرے اور جس چیز کو حق جانے اسے اپنا لے۔

۴۔ عظمت رسالت اور تقدس نبوت ہی دین کی بنیاد ہے۔اگر کسی بھی مکتب فکر کے لٹریچر میں کوئی ایسی عبارت ہو جس میں دین کی اس بنیاد پر اشارۃً یا صراحۃً حرف آتا ہو تو اسے حذف کر دینا چاہیے کیونکہ کوئی بھی غیرت مند مسلمان ایسی صورت حال سے مطمئن نہیں ہو سکتا۔

۵۔ ایک دوسرے پر الزام تراشی کے وقت ہر مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے افراد حدود سے تجاوز کر جاتے ہیں اور فرزندان اسلام پر شرک و کفر کے فتوے لگانے سے بھی باز نہیں آتے۔اس سلسلہ میں ایسے ٹھوس اقدامات کرنے چاہیے کہ اس قسم کی غیر محتاط زبانیں بند ہو جائیں۔

اتحادامت کے لیے حضرت ضیاءالامت کی اس وسیع الظر فی، بلند نظری اور احساسات وجذبات اور خدمات کی وجہ سے جملہ مکاتب فکر کے علماء آپ کی ذات پر اعتماد واعتبار کرتے تھے، یہی وجہ ہے کہ جب اکتوبر ۱۹۸۸ء میں مرزا طاہر قادیانی کی ہزلیات کا جواب دینے اور اسے مباہلہ کا چیلنج دینے کے لیے ادارہ منہاج القرآن کے پلیٹ فارم پر جملہ مکاتب فکر کے علماء جمع ہوئے تو آپ کو علماء کی مرکزی سپریم کونسل کا چیئر مین مقرر کیا گیا اور اس کونسل کی منظوری سے ۲۴/ اکتوبر ۱۹۸۸ء کو ملک گیر ختم نبوت کانفرنس میں اتحاد امت کا وہ بارہ نکاتی جامع فارمولا بھی آپ ہی نے پیش فرمایا جو اپنی مثال آپ ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (ماہنامہ منہاج القرآن، فروری مارچ ۱۹۹۲ء)

امت مسلمہ کا عالمگیر غلبہ تبھی ممکن ہے جب ہماری اپنی صفوں میں مکمل اتحاد ہو۔ حضرت ضیاء الامتؒ نے ہمیشہ علمی، فکری، قلمی، صحافتی اور عملی میدان میں ہمیشہ اتحاد امت پہ زور دیا۔ ایک جگہ آپ فرماتے ہیں:

ہر مسلمان اپنی ملت کی زبوں حالی پر اشکبار ہے۔ ہر دل اپنی موجودہ پستی پر خون کے آنسو بہا رہا ہے۔ ہر زبان شکوہ سنج ہے کہ ہم میں اتحاد نہیں، ہماری صفیں انتشار کا شکار ہیں۔ غرضیکہ ہر شخص اپنی موجودہ صورت حال سے نالاں ہے اور اس کو بدل دینے کے لیے بے چین۔ اگر واقعہ ہی ہمارا یہ احساس مذاق نہیں بلکہ اپنے اندر سنجیدگی اور متانت رکھتا ہے تو آؤ! سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جائیں۔ کندھے کے ساتھ کندھا جوڑ کر قدم بڑھائیں۔ اپنی بدنظمی اور پراگندگی کو نظم وضبط سے بدل دیں، ایک دوسرے سے کھچے کھچے نہ رہیں۔ شکوؤں اور شکایتوں کے دفتر تہہ کر دیں، بدگمانیوں کی عادت چھوڑ کر شیر وشکر ہو جائیں۔ فیاض ازل نے جس کو جو صلاحیت مرحمت فرمائی ہے اسے دین متین کی سربلندی کے لیے وقف کر دیں۔ ضیائے حرم کے صفحات کو اپنی تحقیقی اور تعمیری کاوشوں سے رشک صد طور بنا دیں۔ ان میں اپنی نگارشات کے موتی سجا کر اپنی قوم کے نو نہالوں کی خدمت میں بطور ارمغان پیش کریں۔ ہم ان عظمتوں کی نشاندہی کریں اور اپنے نوجوانوں کو ان رفعتوں کا پتہ بتائیں جو بندہ مومن کی میراث ہیں۔ دشت ظن وتخمین میں بھٹکنے والے آہو کو سوئے حرم لے چلیں۔ وہ عندلیبیں اور قمریاں جو کسی غلط فہمی کے باعث شاخ مغیلاں پر آشیاں بند ہو چکی ہیں، انہیں بتائیں کہ تمہارے بغیر چمن اداس ہے۔ غنچے اداس ہیں، کلیاں اداس ہیں۔ آؤ! اپنے گلشن میں آؤ، اپنے روح پرور نغموں سے چمن کی فضا کو معمور کر دو۔ یہ ناچیز اپنے ان بچھڑے ہوئے رفیقوں کو خصوصی طور پر دعوت دیتا ہے جنہیں عقل سلیم، فہم رسا اور قلم معجز رقم کی انمول نعمتیں بخشی گئی ہیں کہ وہ آئیں اور اس ماہنامہ کے دامن کو اپنے علم وحکمت کے موتیوں سے تابدار بنائیں۔ (ماہنامہ ضیائے حرم، اکتوبر ۱۹۷۰ء)

یہ تھی وہ دعوت جو آپ نے قوم کے ان افراد کے سامنے پیش کی جو دین وملت کا درد رکھتے ہیں اور آپ کی یہ دعوت آج بھی اسی طرح ہے۔ ضیائے حرم کے صفحات آج بھی فرقہ واریت کی قیود سے آزاد ہیں اور اس کی پالیسی خذما صفا و دع ما کدر کے تحت آج بھی اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ جاری ہے لیکن ان ساری رواداریوں اور وسعت نظری

کے باوجود حضرت ضیاء الامت عقائد اہلسنت کی ترویج اور ان کے اظہار میں کسی مداہنت کے روادار نہیں تھے اور بقول طالب الہاشمی:

حضرت موصوف حنفی مسلک کے ایک بلند پایہ عالم ہیں۔انہوں نے ہر جگہ اپنے مسلک کی ترجمانی کی ہے۔ ان کے زاویہ نگاہ سے تو اختلاف ہوسکتا ہے لیکن ان کے خلوص اور اپنے مسلک سے سچی وفاداری پر کسی شبہ کی گنجائش نہیں۔

حضرت ضیاء الامت رحمۃ اللہ علیہ کا نظریہ اتحاد امت

علامہ بابر حسین بار صاحب اتحاد امت اور حضرت ضیاء الامت کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

ضیاء الامت جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ کو رب تعالیٰ نے وہ بالغ نظر اور فکرِ رسا عطا فرمائی کے آپ نے تن تنہا کئی محاذوں پر کام کیا اور بے شمار مسائل پر ایسا مدلل اور واضح نکتہ نظر پیش کیا جو ان شاء اللہ رہتی دنیا تک آنے والی نسلوں کے لیے رہنمائی فراہم کرتا رہے گا۔اس میں شک نہیں کہ آپ ملتِ اسلامیہ کی اجتماعی ترقی کے لیے اتحاد امت کو بہت ضروری خیال کرتے تھے اور باہمی انتشار وافتراق کو امت کی زبوں حالی کا سبب سمجھتے تھے۔ اس میں بھی شک نہیں کہ آپ نے اتحادِ امت کے لیے لازوال کوششیں فرمائیں لیکن آپ کا نظریہ اتحادِ امت کیا تھا؟ اسے آپ کی تحریروں کی روشنی میں سمجھنے کی ضرورت ہے۔اتحادِ امت کی شدید ترین خواہش کے باوجود آپ نے خود کو اہلِ سنّت کا ایک ادنیٰ فرد قرار دیا اور اس کے عقائد ونظریات کی حقانیت پر نہ صرف یہ کہ آپ کو پختہ یقین تھا بلکہ آپ نے ان عقائد کی بھرپور ترجمانی کی اور عقائدِ اہلِ سنّت کے متعلق ایسا زبردست علمی سرمایہ چھوڑا جو شکوک وشبہات کا ازالہ کرنے کے لیے کافی ہے۔

اہلِ سنّت کے ساتھ آپ کی والہانہ محبت

آپ اتحادِ امت کے داعی تھے مگر اپنی دعوت کے راستے میں اپنے افکار ونظریات کی سچائی کو آپ نے کبھی قربان نہیں ہونے دیا۔آپ سنّی العقیدہ عالم دین تھے اور اہل سنّت سے وابستگی پر آپ بجا طور پر فخر بھی کرتے تھے۔آپ لکھتے ہیں:

یہ سوادِ اعظم جس کا میں ایک ادنیٰ فرد ہوں، جس کی محبت میرے رگ و پے میں سمائی ہوئی ہے۔جس کے دینی عقائد پر میرا پختہ ایمان ہے۔ میں یہ سمجھتا ہوں کے انہوں نے دین جزوی طور پر قبول نہیں کیا بلکہ کلی طور پر قبول کیا ہے۔جن کے سینوں میں نورِ توحید درخشاں ہے۔جن کے دلوں میں عشقِ محمدی ﷺ کی شمع فروزاں ہے، جن کی روح صحابہ کرام، اہلِ بیتِ عظام، اولیائے امت اور علمائے ربانیین کی الفت سے سرشار ہے۔وہ اگر خائب ومحروم ہو کر زندہ رہنے پر مجبور ہو جائیں گے تو پھر کیا ہوگا؟ (مقالات، ج۱،ص۱۴۱)

اس اقتباس کا لفظ لفظ اہلِ سنت کے ساتھ آپ کی گہری محبت اور ان کی دلی خیر خواہی پر مبنی جذبات کی عکاسی کر رہا ہے۔اور ساتھ یہ بھی واضح ہو گیا کہ آپ کے نزدیک صرف اہلِ سنت ہی وہ خوش نصیب ہیں جنہوں نے دین کو کلی طور پر قبول کیا ہے۔

Scanned with CamScanner

اہلِ سنّت کے عقائد سے روگردانی انتشار کا سبب

حضرت ضیاءالامت اہل سنّت کے عقائد کو امّت کے باہمی اتحاد کی شہ کلید سمجھتے تھے۔ چنانچہ آپؒ نے بڑے واضح الفاظ میں لکھا ہے:

کہیں عقیدہ ختمِ نبوت کے منکر ہیں جو مجموعی طور پر امتِ مسلمہ کے لیے ایک چیلنج کی حیثیت رکھتے ہیں اور کہیں شمعِ رسالت کے اولین پروانوں پر جھوٹے بہتان لگانے والا گروہ ملتِ اسلامیہ کی فکری اور نظریاتی یک جہتی کو درہم برہم کر رہا ہے اور ایک ایسا فرقہ بھی پر پرزے نکال رہا ہے جس کے پیشِ نظر تقدسِ نبوت اور احترام رسالت کے عقیدہ سے مسلمانوں کو محروم کرنا ہے، ان کے سارے مذاکرے، ان کے سارے مواعظ، ان کی ساری تصنیفات اس ایک امر پر مرتکز ہو کر رہ گئی ہیں کہ نبی کریم ﷺ کو آپ کے مقام رفیع سے نیچے اتار کر ایک عام انسان کے دوش بدوش کھڑا کر دیا جائے۔ ان کی اسی روش نے انکارِ سنت کو جنم دیا ہے۔ وہ کسی کافر کو تو مسلمان کرنے کی ہمت نہیں رکھتے، البتہ شرک سازی کی مہم چلانے میں یہ بڑے بے باک ہیں۔

تمام وہ آیتیں جو مشرکینِ مکہ کے حق میں نازل ہوئی تھیں ان کو غلامانِ مصطفیٰ علیہ اطیب التحیۃ والثناء پر منطبق کرتے ہیں اور ہر اس خوش نصیب کو جسے عشقِ حبیبِ کبریا ﷺ کی دولتِ سرمدی ارزانی ہوئی ہے، اس کو دائرہ اسلام سے خارج کرنا اپنے موحد ہونے کے لیے شرط اول قرار دیتے ہیں۔

یہ سارے فرقے امتِ محمد یہ علی صاحبہا افضل الصلوٰۃ والسلام کے سوادِ اعظم سے نکلے ہیں۔ فتنہ پردازوں نے اس رفیع الشان محل سے یہ اینٹیں اکھاڑ اکھاڑ کر نئے گھرانے تعمیر کیے ہیں۔ (مقالات ج ۱، ص ۳۹، ۴۰)

اس اقتباس کی آخری سطور خصوصی توجہ کی مستحق ہیں۔

اتحادِ امت کے لیے ضیاءالامت کا اندازِ دعوت

آپؒ اتحادِ امت کے نہ صرف یہ کہ بہت بڑے داعی اور نقیب تھے بلکہ زندگی کے ہر دور میں آپ اس حوالے سے سرگرمِ عمل رہے۔ آپ کی متنوع مساعی جمیلہ اس امر کی گواہ ہیں۔ آپ امت کے باہمی انتشار پر کڑھتے تھے اور اسے ختم کر کے اتحاد و اتفاق کی فضا قائم کرنے کے لیے کوشاں رہتے تھے۔ اس حوالے سے آپ نے ضیاء القرآن کے مقدمہ میں لکھا ہے:

یہ امت بھی بعض خود غرض اور بد خواہ لوگوں کی ریشہ دوانیوں سے متنازع گرہوں میں بٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی اور جذبات میں آئے دن کشیدگی اور تلخی بڑھتی ہی چلی جارہی ہے۔ اس پراگندہ شیرازہ کو یکجا کرنے کا یہی طریقہ ہو سکتا ہے کہ انہیں قرآنِ حکیم کی طرف بلایا جائے اور اس کی تعلیمات کو نہایت شائستہ اور دلنشین پیرایہ میں پیش کیا جائے۔ پھر ان کی عقلِ سلیم کو اس میں غور و فکر کی دعوت دی جائے۔ ہمارا اتنا ہی فرض ہے اور ہمیں یہ فرض بڑی دل سوزی سے ادا کرنا چاہیے۔ اس کے بعد معاملہ خدائے بزرگ و برتر کے سپرد کر

دیں۔ وہ حی و قیوم چاہے تو انہیں شبہات اور غلط فہمیوں کی دلدل سے نکال کر راہ ہدایت پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ (مقدمہ ضیاء القرآن، ج۱، ص۱۰)

حضرت ضیاء الامت رحمۃ اللہ علیہ اتحادِ امت کا داعی ہونے کے ساتھ ساتھ اہلِ سنت کے ترجمان بھی تھے۔ اس لیے ان دونوں پہلوؤں پر نظر رکھنی چاہیے۔ اس موضوع پر بہت کچھ کہا جا سکتا ہے۔ تھوڑے کو زیادہ جانیے گا۔

اے مرے چارہ گر! آپ کا شکریہ
کر دیا ہے ادا پاسبانی کا حق
اہل سنت کو طاقت ملی آپ سے
ہو گیا ہے ادا ترجمانی کا حق

(بابر حسین بابر)

حضرت ضیاء الامت رحمۃ اللہ علیہ نے ضیائے حرم کے اداریہ ''سر دلبراں'' میں بار ہا فرقہ واریت کی بیخ کنی فرمائی۔ چنانچہ ایک جگہ آپ رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں:

عالم اسلام کو درپیش چیلنجوں میں سے ایک بہت ہی تشویشناک بات فرقہ واریت ہے، حالانکہ دین اسلام اپنے ماننے والوں کو درس اتحاد دیتا ہے جس میں تفرقہ بازی کی سرے سے کوئی گنجائش نہیں۔ اس لئے کہ اتحاد بین المسلمین کی عمارت جس بنیاد اور مرکز پر استوار ہوتی ہے وہ اللہ کا دین ہے۔ قرآن اور اسوۂ حامل قرآن ﷺ مسلمان کو اس دین کی طرف بلاتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ جن لوگوں کا مرکز ایک ہو ان کی توجہ صرف اسی پر مرکوز ہوتی ہے۔ اس سے ہٹ کر کوئی اور بات ان کا مرکز نگاہ نہیں ٹھہرتی۔ چنانچہ حکم دیا گیا ہے:

وَاعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰهِ جَمِيۡعًا وَّلَا تَفَرَّقُوۡا (آل عمران:۱۰۳)

یہ حوالہ تو ہر شخص دیتا ہے مگر عمل کا سراسر فقدان ہے۔ لمحہ فکر یہ ہے کہ مسلمان کیوں نہیں سمجھتا کہ وہ دین اسلام کی وجہ سے مسلمان ہے۔ اس کی بقاء و سلامتی اسلام ہی کے ساتھ وابستہ ہے۔ دین اسلام کو حبل اللّٰہ سے تعبیر کر کے درس اتحاد کی تعبیر کو آسان تر کر کے پیش کرنا مقصود ہے۔ اس حبل اللہ کی مزید وضاحت قرآن حکیم نے العروۃ الوثقیٰ کی ترکیب سے کر دی ہے:

فَمَنۡ يَّكۡفُرۡ بِالطَّاغُوۡتِ وَيُؤۡمِنۡۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسۡتَمۡسَكَ بِالۡعُرۡوَةِ الۡوُثۡقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا

(البقرہ:۲۵۶)

گویا دین اسلام حبل اللّٰہ اور العروۃ الوثقی یعنی لاثانی اور لازوال ہے۔

لہٰذا سیدھی سی بات ہے کہ جو اس کے ساتھ وابستہ ہوگا، بقاء و سلامتی صرف اسے نصیب ہوگی۔ فـی الدنیـا حسـنة و فـی الآخـرة حسنة صرف اسی کا مقدر بنے گی اور جو اس سے انحراف کرے گا اس کی مثال

درخت سے کٹی ہوئی اس شاخ کی سی ہے جو کبھی ہری نہیں ہو سکتی گویا ؎

ڈالی گئی فصل خزاں میں جو شجر سے ٹوٹ
ممکن نہیں ہری ہو سحاب بہار سے

(تجلیات ضیاء الامت، محمد اکرم ساجد، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور، ص ۳۹۵)

اتحاد امت کے نقیب: چند زعمائے ملت کے تاثرات

ضیاء الامت رحمۃ اللہ علیہ اتحاد امت کے نقیب تھے۔ پاکستان کے تمام مکاتب فکر کی معتبر شخصیات نے آپ کے اتحاد امت کے لیے انجام دیے گئے کام کو سراہا ہے اور آپ کے اخلاص اور مساعی جمیلہ کی تحسین کی ہے۔ ذیل میں اس حوالے سے چند نمونہ جاتی سطور ملاحظہ فرمائیں۔

تاجدار گولڑہ حضرت پیر سید نا مہر علی شاہؒ کے علوم اور روحانی ورثہ کے امین حضرت پیر سید نصیر الدین نصیر گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ حضرت ضیاء الامتؒ کے حوالے سے فرماتے ہیں:

قبلہ پیر صاحب کی ہستی تمام مکاتب فکر کے لیے مستند حیثیت کی حامل تھی۔ آپ کے مخالفین بھی آپ کی علمی برتری اور فضیلت کا اعتراف بڑے واشگاف الفاظ میں کیے بغیر نہیں رہ سکتے تھے گویا آپؒ والفضل ما شهدت به الا عداء کے مصداق تھے۔ (نوائے انجمن مئی جون ۱۹۹۸ء)

ڈاکٹر نعمان جلال (سفیر مصر) نے کہا کہ آپ اتحاد بین المسلمین کے علمبردار تھے۔ (نوائے انجمن مئی جون ۱۹۹۸ء)

جسٹس سعید الزماں صدیقی مرحوم (اس وقت کے قائم مقام چیف جسٹس آف پاکستان) کا کہنا تھا:

آپ اتحاد بین المسلمین کے داعی اور علم و فضل کا پیکر تھے۔ آپ کی ہمہ جہت شخصیت پاکستان کے لیے سرمایہ افتخار تھی۔ آپ کی خدمات کبھی فراموش نہیں کی جاسکتیں۔ (نوائے انجمن مئی جون ۱۹۹۸ء)

قاضی حسین احمد مرحوم (امیر جماعت اسلامی پاکستان) نے آپؒ کی خدمات کے حوالے سے کہا:

حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ کا تعلق علماء کے اس طبقہ سے تھا جو مسلم امہ کے اتحاد کے لیے سرگرم عمل رہے۔ اہم ترین مناصب پر فائز رہنے کے باوجود ان کے طرز عمل سے کسی بھی طبقہ کو شکایت محسوس نہیں ہوئی، مرحوم تمام مکاتب فکر کے لیے مقبولیت کا درجہ رکھتے تھے۔ (تکبیر ٹائمز، مئی ۱۹۹۸ء)

دیوبند مکتب فکر کے معروف عالم مولانا محمد اجمل قادری (سیکرٹری جنرل جے یو آئی) نے کہا:

حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ ایک بلند پایہ عالم دین ہی نہیں بلکہ ایک سچے عاشق رسول ﷺ بھی تھے۔ مرحوم فرقہ واریت کے جھمیلوں سے دور رہ کر ساری زندگی لوگوں کو خدا اور رسول ﷺ کی طرف بلاتے رہے۔ (تکبیر ٹائمز، مئی ۱۹۹۸ء)

سینیٹر مولانا سمیع الحق شہید (سربراہ جے یو آئی) نے آپ کے وصال پر اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

پیر محمد کرم شاہ الازہری علیہ الرحمہ کا انتقال ایک عظیم سانحہ ہے۔ وہ عالم اسلام میں اخوت اور بھائی چارہ کے داعی تھے۔ مسلمانوں کے تمام مکاتب فکر کے افراد ان کی یکساں عزت کرتے تھے۔ (سہ ماہی شاہین، ۱۹۹۸ء)

پیرزادہ مسرور احمد قادری (انگلستان) اپنے تاثرات میں لکھتے ہیں:

پیر صاحب جب لکھتے ہیں تو کسی ایک مخصوص مسلک یا کسی ایک عقیدے کے قاری کے لیے نہیں لکھتے۔ وہ اپنا عقیدہ بڑے واضح اور پرکشش انداز میں بالعموم اس طرح لکھتے ہیں کہ اگر مخالف عقائد و نظریات کا صحیح الفطرت آدمی بھی تعصبات کی آلائش سے پاک ہو کر اور ہر قسم کے ذہنی تحفظات سے ماورا ہو کر اس کا مطالعہ کرے تو اس میں غور وفکر کا بہت سامان موجود ہوتا ہے۔

معروف قانون دان محمد اکرم رانجھا ایڈووکیٹ نے پیر صاحب کی وسعت مشربی کا اعتراف ان الفاظ میں کیا:

پیر صاحب قبلہ کو میں نے بڑا ہی عالی ظرف اور وسیع القلب پایا۔ وہ اتحاد امت کے نقیب تھے۔ اتحاد امّت ان کی زندگی کا اوڑھنا بچھونا تھا۔ میں جماعت اسلامی کے کوٹہ سے ملک نور حیات خان نون مرحوم کے مقابلہ میں الیکشن لڑ رہا تھا۔ پیر صاحب نے اپنی ذاتی کار اور پٹرول کا استعمال کر کے دور دراز کچے علاقوں میں میری کنوینسنگ فرمائی۔ صرف اس لئے کہ میں قومی اتحاد کا امیدوار تھا۔ اسی طول وطویل سلسلہ ہائے سفر میں، میں نے پیر صاحب کو مختلف مساجد میں نماز پڑھتے دیکھا۔ وہ جہاں بھی گئے سارے مکاتب فکر کے علماء نے ان کے پیچھے نماز ادا کرنا باعث سعادت سمجھا۔ (تجلیات ضیاء الامت صفحہ ۱۲۸)

گھنٹی نہیں گھڑیال کی آواز سنو

پیر صاحب ساری زندگی اس بات کی تبلیغ کرتے رہے کہ امّت کے باصلاحیت افراد کو اپنی صلاحیتیں باہمی جھگڑوں کے بجائے اسلام دشمن قوتوں کے مقابلے میں صرف کرنی چاہییں۔ اس حوالے سے پروفیسر ڈاکٹر حبیب اللہ چشتی بیان کرتے ہیں:

ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ الازہری علیہ الرحمہ ہمیشہ اسی چیز پہ زور دیتے تھے کہ اپنی اعلیٰ ترجیحات کا تعین کرو۔ ایک مرتبہ ایک علامہ صاحب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے اپنے ایک معاصر علامہ صاحب کے ردّ میں ایک کتاب لکھی تھی جس کا نام تھا ''خطرے کی گھنٹی'' وہ چاہتے یہ تھے کہ حضرت ضیاء الامت علیہ الرحمہ اس پر ایک تقریظ ثبت فرما دیں۔ آپ نے ان کی کتاب کو دیکھ کر فرمایا کہ مولانا! آپ کو خطرے کی گھنٹی تو سنائی دے رہی ہے، کیا آپ کو خطرے کے بڑے بڑے گھڑیال سنائی نہیں دے رہے؟ آپ کا مطلب یہ تھا کہ ملحدین، مشرکین اور یہودی و نصاریٰ جو اسلام کے خلاف اتنی گہری اور منظم سازشیں کر رہے ہیں، کیا آپ کو وہ سنائی نہیں دیتیں یعنی اصل توجہ کا مرکز تو اسلام کے یہ دشمن ہونے چاہییں، بجائے اس کے کہ آپ پہلے ایک

مسلمان کو کافر قرار دیں اور پھر اس کے خلاف اپنی صلاحیتوں کو برباد کرتے رہیں۔

(مجلّہ جمال کرم لاہور، صفحہ ۲۵۵، ۲۵۶)

الغرض حضرت ضیاء الامت علیہ الرحمہ اس بات سے بخوبی آگاہ تھے کہ اختلاف وانتشار سے امت مسلمہ کا جو نقصان ہوا ہے وہ کسی اور چیز سے نہیں ہوا۔ دشمن نے ہماری اس کمزوری کا ہمیشہ فائدہ اٹھایا ہے۔ اس لئے امت کی بقا اسی میں ہے کہ امت واحدہ بن جائے اور آپ یہ احساس پوری ملت میں اجاگر فرماتے رہے۔ ایک مقام پر آپ اختلاف وانتشار کے بھیانک نتائج اور اس کے خوفناک انجام کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرماتے ہیں:

الحاد و دہریت کے طوفانوں نے ہمارے بنیادی عقائد کے قلعوں میں شگاف ڈال دیے ہیں۔ اخلاقی انحطاط اور اباحیت پسندی نے ہمارے معاشرہ کا حلیہ بگاڑ دیا ہے۔ اشتراکیت وشیوعیت کا سیلاب امڈ چلا آرہا ہے۔ ہم یہ سب کچھ دیکھ رہے ہیں۔ ان اسلام دشمن تحریکوں کے مہلک اثرات کا بھی ہمیں بخوبی علم ہے لیکن ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ بے حسی اور بے بسی نے ہماری تعمیری صلاحیتوں کو ناکارہ بنا دیا ہے۔ ہم خوب جانتے ہیں کہ بخارا، سمرقند، تاشقند وغیرہ اسلامی مراکز کا روسی کمیونزم نے کیا حشر کیا۔ عظیم مساجد، اسلامی جامعات اور خانقاہیں ویران کر دی گئیں، وہاں کی مسجدیں سجدوں کے لیے، فلک بوس مینارے صدائے اذان کے لیے، مدارس قرآن وسنت کے لیے اور خانقاہوں کے در و دیوار ذکر الٰہی کے لیے ترس رہے ہیں۔ سارے چراغ گل ہو گئے۔ سارے چشمے خشک ہو گئے۔ اشتراکیت کے گروہی نظریات اور مفادات اتنے عزیز ہیں کہ ہم اسلام کے بنیادی عقائد اور اصولی نظریات کا چمن اجڑتا ہوا دیکھ سکتے ہیں۔ یہی عذاب عظیم ہے۔ کسی قوم کے لیے بے حسی اور بے بسی سے بڑا عذاب کوئی نہیں ہو سکتا۔ (ضیاء القرآن ج ۱، ۲۶۲)

اتحاد بین المسلمین کے لیے حضرت ضیاء الامت علیہ الرحمہ نے ہمارے لیے بہترین نقوش چھوڑے ہیں۔ آج دار العلوم محمدیہ غوثیہ کے جملہ فارغ التحصیل علماء کرام، جن کی تعداد ہزاروں میں ہے، آج بھی اتحاد امت کے لیے کوشاں ہیں۔ جانشین حضرت ضیاء الامت حضرت پیر محمد امین الحسنات شاہ مدظلہ العالی پوری طرح حضرت ضیاء الامت کی اتحاد بین المسلمین کے لیے کی جانے والی کاوشوں کو آگے بڑھا رہے ہیں اور آج بھی آپ کا وجود وطن عزیز پاکستان میں اتحاد امت کا استعارہ سمجھا جاتا ہے۔ حضرت ضیاء الامت علیہ الرحمہ کے تلامذہ کی آج بھی وجہ شہرت نفرت اور انتشار نہیں بلکہ پیار اور محبت ہے۔ آیئے ہم سب مل کر اتحاد بین المسلمین کے لیے حضرت ضیاء الامت کے پیغام کو عام کریں اور حضرت اقبال کے اس شعر کی عملی تفسیر بن جائیں۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تابخاک کاشغر

اور یہ ثابت کر دیں کہ گنبد خضراء کے سائے تلے ہم ایک ہیں، ہم ایک ہیں۔

تریسٹھویں شبِ کرم کی روداد

میاں محمد عباس، مرکزی جوائنٹ سیکرٹری الکرم فرینڈز

الکرم فرینڈز پاکستان کے زیر اہتمام گذشتہ ماہ ۶۳ ویں محفل شب کرم آستانہ عالیہ بھیرہ شریف پر حسب روایت نہایت روحانی کیفیات میں منعقد ہوئی۔ اس بار اس محفل کی میزبانی کی سعادت الکرم فرینڈز کی پنڈ دادن خان شاخ کو حاصل ہوئی۔ پنڈ دادن خان میں حضرت علامہ پیر محمد انور قریشی خلیفہ مجاز آستانہ عالیہ امیر السالکین بھیرہ شریف کی زیر سرپرستی علامہ لئیق احمد بطور ناظم ضلع اپنے فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔ محمد اشفاق ہاشمی مرکزی صدر الکرم فرینڈز نے شب کرم کے حوالے سے مختلف انتظامات کا جائزہ لیا اور حسن انتظام پر ذمہ داران کی تحسین فرمائی۔ شب کرم کا آغاز حسب معمول تلاوت کلام پاک و نعت رسول مقبول ﷺ سے ہوا۔ اس دفعہ شب کرم کے موقع پر دو موضوعات پر گفتگو کی گئی۔ خلاصہ پیش خدمت ہے۔

ڈاکٹر محمد نعیم الدین الازہری خطیب مسجد امیر السالکین بھیرہ شریف نے درس ضیاء القرآن کے تحت سورۃ النور کو موضوع سخن بنایا۔ انہوں نے کہا کہ یہ سورت ۶۴ آیات پر مشتمل ہے اور مدنی ہے۔ انہوں نے کہا کہ اس سورت میں اجتماعی آداب اور معاشرتی و اخلاقی اقدار کی بات کی گئی ہے نیز گھر کے اندر کی اخلاقیات پر زور دیا گیا ہے۔ اسی مناسبت سے اسے سورۃ عائلات کا نام بھی دیا گیا ہے۔ اس سورت کا نزول واقعہ افک کے بعد ہوا۔ حضرت ضیاء الامت نے اس سورت کے درج ذیل مضامین تحریر فرمائے ہیں:

ا۔ گھر کا پاکیزہ ماحول، ۲۔ پردہ، ۳۔ حد زنا، ۴۔ چار دیواری کا احترام، ۵۔ واقعہ افک، ۶۔ اسم الٰہی ''نور'' کی معنویت، ۷۔ اسلامی ضابطہ حیات اپنانے پر بشارات۔

مقرر موصوف نے کہا کہ اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے اُم المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر لگائی جانے والی تہمت سے اُن کی برأت کا خود اعلان فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے اس برأت سے معاشرے میں غلط افواہیں پھیلانے والے اور لوگوں کی عزتوں کو پامال کرنے والوں کی تربیت کا اہتمام فرمایا۔ انہیں یہ تنبیہ فرمائی کہ اگر وہ اپنی روش سے باز آجائیں تو صحیح وگرنہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناقابل معافی جرم قرار دیا جائے گا۔ انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں شریعت اسلامیہ کے تعزیری قوانین میں سے ایک اہم قانون کا ذکر فرمایا۔ انسان کی جان، مال اور ناموس کی حفاظت اسلامی قوانین کا مقصد اوّلیں ہے۔

واقعہ افک پر روشنی ڈالتے ہوئے مقرر موصوف نے کہا کہ غزوہ بنی مصطلق سے واپسی پر ایک مقام پر پڑاؤ کیا

گیا۔اس مقام سے کوچ کرتے وقت جن صحابہ کی ڈیوٹی اُم المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ہودج کو اُٹھانے کی تھی، اُنہوں نے سمجھا کہ آپ ہودج کے اندر ہی تشریف فرما ہیں لہٰذا اُونٹ پر رکھ دیا جبکہ آپ کا ہار گم ہو گیا تھا، آپ اس کی تلاش میں تھیں۔قافلہ کوچ کر گیا۔جب آپ جھاڑیوں کی اوٹ سے باہر تشریف لائیں تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئیں کہ سب جا چکے تھے۔آپ وہیں بیٹھ گئیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی صفوان رضی اللہ عنہ کی ڈیوٹی لگا رکھی تھی کہ قافلہ کے کوچ کرنے کے بعد سابقہ مقام کا چکر لگایا جائے تاکہ کوئی شے رہ نہ جائے۔حضرت صفوان رضی اللہ عنہ نے جب آپ کو دیکھا تو بآواز بلند ترجیع پڑھی۔آپ ان کے پیچھے پیچھے قافلے سے آملیں۔منافقین کو موقع مل گیا اور اُنہوں نے الزام تراشی شروع کر دی۔اللہ تعالیٰ نے منافقین کی سیدہ عائشہ صدیقہ کے خلاف ہرزہ سرائی کا خود جواب ارشاد فرمایا اور منافقین کی اس گھناؤنی سازش کا قلع قمع کر دیا۔انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی پاک دامنی کو قرآن کا حصّہ بنا دیا لہٰذا آج جو لوگ آپ پر تہمت لگانے کے خبث میں مبتلا ہیں وہ دراصل اللہ تعالیٰ کی گواہی کے منکر ہیں۔انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے شر نہ سمجھیں بلکہ اپنے لیے خیر سمجھیں کہ اس واقعے سے منافقین اور ملعونین کھل کر سامنے آ گئے ہیں۔انہوں نے کہا کہ حرم نبوی کی حرمت کی پاکی کا اقرار ہمارے ایمان کا حصہ ہے لہٰذا مخالفین کو غور کرنا چاہیے کہ وہ اُم المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر اعتراض کر کے کس حرم اقدس کی حرمت پر انگلی اُٹھا رہے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی کے لیے دردناک عذاب کا حکم نازل فرمایا کیونکہ اُس نے اس تہمت کو ہوا دینے میں مرکزی کردار ادا کیا تھا۔اللہ تعالیٰ روشن فکر سے نوازے۔

مقرر موصوف نے کہا کہ آج ہمارے معاشرے میں سوشل میڈیا بے لگام ہو چکا ہے۔بنا تحقیق کے الزامات کی بوچھاڑ کر دی جاتی ہے۔انہیں اس بات کا ادراک ہونا چاہیے کہ اسلام ایسی سرگرمیوں کی سختی سے نہ صرف مذمت کرتا ہے بلکہ سزا بھی مقرر کر رکھی ہے۔انہوں نے کہا کہ بہتان تراشی شکوک وشبہات کو جنم دیتی ہے۔مسلمانوں کو تحقیق کرنے کا پابند کیا گیا۔انہوں نے کہا کہ حد قذف یا زنا جیسے جرم شنیع کی سزائیں انتہائی سخت ہیں لیکن اس کے معاشرے پر مثبت اثرات مرتب ہوتے ہیں۔انہوں نے کہا کہ اسلام نے گھر کے ماحول کو پاکیزہ رکھنے کا بہت زیادہ اہتمام کیا ہے۔اسی لیے گھر میں داخل ہونے سے پہلے اجازت کے آداب بیان کیے تاکہ اہل خانہ کو علم ہو جائے۔انہوں نے کہا کہ خواتین کو چار دیواری کے اندر نسبتاً آزادی ہوتی ہے۔اسلام اجازت طلب کرنے کو اسی لیے لازم قرار دیتا ہے کہ وہ باخبر ہو جائیں۔اللہ تعالیٰ نے اس اجازت طلب کرنے کو خیر قرار دیا ہے۔اس طرح اسلام نے خرابی کا پہلے ہی دروازہ بند کر دیا اور سد ذرائع سے کام لیا۔

استیذان (اجازت طلب کرنا) کے اصول بیان کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ عمومی طور پر نابالغ بچوں اور گھر میں کام کرنے والی عورتوں کو گھر کے اندر ادھر ادھر آنے جانے کی آزادی ہوتی ہے لیکن قرآن کریم تین اوقات مخصوصہ میں

گھر کے اندر بھی اس طرح کی آزادی کو محدود کرنے کا حکم دیتا ہے۔ وہ تین اوقات درج ذیل ہیں۔ نماز فجر سے پہلے، قیلولہ کے وقت اور نماز عشاء کے بعد۔ ان تین اوقات میں انہیں بھی اجازت کا پابند بنا دیا۔

استیذان کا دوسرا اصول بیان کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ اسلام ''غض البصر'' کا حکم دیتا ہے یعنی نگاہوں کو نیچا رکھنا۔ یہ حکم مرد و عورت دونوں کے لیے ہے۔ حضرت ضیاء الامت ؒ لکھتے ہیں کہ نگاہ وہ دروازہ ہے جس کے ذریعے دل تک پہنچا جا سکتا ہے۔ پس اگر نظر قابو میں رہی تو دل خراب ہونے سے بچ جائے گا۔

تیسرا اصول ''تزویج الشباب'' بیان کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ اسلام نوجوانوں کی جلد شادی کرنے کی ترغیب دلاتا ہے تاکہ یہ بے راہ روی سے بچ سکیں۔

چوتھے اصول ''منع البغاء'' کی وضاحت کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ اسلام نے اس اصول کے ذریعے فحاشی و عریانی کا راستہ روکا ہے۔ چنانچہ وہ تمام ذرائع جو فحاشی کو فروغ دیں، انہیں منع قرار دیا گیا ہے۔

پانچویں اصول ''الحجاب'' پردے کے حکم سے نہ صرف عورت کو تحفظ عطا کیا بلکہ مردوں کو بھی شیطانی نرغے میں پھنسنے سے بچا لیا۔

چھٹے اصول ''تحریم الفاحشۃ'' فاحشات کو حرام قرار دیا۔ اس میں وہ تمام میڈیا شامل ہیں جو فحاشی پھیلاتے ہیں۔

ساتویں اصول کی وضاحت کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تہمت لگانے کو حرام قرار دیا۔ انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں زنا کی سزا کے قوانین نازل فرمائے۔ چار گواہوں کی موجودگی لازمی قرار دی۔ آپ ﷺ کی بارگاہ میں ایک صحابی نے عرض کہ انہوں نے ایک عورت کو زنا کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا خاموش ہو جاؤ، اگر تمہارے پاس چار گواہ ہیں تو ٹھیک وگرنہ تم پر حد قذف لگے گی۔ انہوں نے کہا کہ اسلام نے عورت کی عزت کو بہت زیادہ اہمیت دی ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں اپنی ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کو سورۃ نور کی تعلیمات سے آگاہ کرنا چاہیے اور اس کی تعلیم کو عام کرنا چاہیے۔

اس موقع پر پروفیسر صاحبزادہ احمد ندیم رانجھا نے شب کرم کی ضرورت و اہمیت پر گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ حضرت ضیاء الامت نے ہمیشہ تربیت کو ترجیح دی ہے۔ یہ شب کرم اسی تربیت سے منسلک ہے۔ شب کرم کے شیڈول کی وضاحت کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ اس میں درس ضیاء القرآن، درس ضیاء النبی، درس تصوف کے ساتھ ساتھ محفل ذکر و نماز تہجد کا بھی اہتمام کیا جاتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہ شب کرم خانوادہ امیر السالکین کی سخاوت کا ایک مظہر ہے۔ انہوں نے کہا کہ حضرت ضیاء الامت نے ساری زندگی علم کی سخاوت کرتے گزاری ہے۔

انہوں نے کہا کہ مقاصد نبوت میں تلاوت آیات، تعلیم کتاب و حکمت اور تزکیہ نفس شامل ہیں۔ تلاوت آیات سے روح کی بالیدگی ہوتی ہے اور یہ قراء کا خاصہ قرار پایا۔ اسی طرح تعلیم کتاب مفسرین و معلمین کا نصیب قرار پایا اور حکمت فقہاء و متکلمین کا شرف ٹھہری جبکہ تزکیہ نفس صوفیاء کا حصہ ٹھہرا۔ اس طرح اُمت میں ادارہ جاتی تقسیم ہوئی۔ انہوں نے

کہا کہ اُمت کے کامل ترین افراد ان سارے شعبہ جات میں کمال کی مہارت رکھتے ہیں۔انہوں نے کہا کہ شب کرم ان چاروں پہلوؤں پر محیط ہے۔

خانقاہی نظام تربیت میں ان مقاصد جلیلہ کی اہمیت بیان کرتے ہوئے مقرر موصوف نے کہا کہ تمام سلاسل پابندی سے تعلیم و تربیت کا اہتمام فرمایا کرتے تھے۔شیخ عبدالقادر جیلانی ﷫ ہفتے میں ایک دن خانقاہ میں اور ایک دن مدرسے میں درس دیا کرتے تھے۔گویا مدرسہ اور خانقاہ دونوں آپ کی زیر نگرانی تھے۔صوفیاء کی ایک کثیر تعداد نے خانقاہ اور مدرسہ میں بیک وقت فرائض منصبی ادا کیے ہیں۔انہوں نے کہا کہ حضرت ضیاءالامت بھی اسی سلسلے کی ایک حسین کڑی ہیں۔آپ نے مدرسہ اور خانقاہ کی روحانی و علمی وراثت کو نہ صرف سنبھالا بلکہ اسے مزید مستحکم کیا۔آپ تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیتی حوالے سے درس کا بھی اہتمام فرمایا کرتے تھے۔

انہوں نے کہا کہ ہمارے معاشرے میں بہت تیزی سے دین داری روبہ زوال ہے۔روح، عقل اور فکر کی تربیت کا فقدان ہے۔ہم بڑی تیزی سے اپنا قیمتی سرمایہ کھو رہے ہیں۔ایسے ہوش ربا دور میں شب کرم جیسی محافل اکسیر کا کام کرتی ہیں۔ایسی محافل کے ذریعے بیک وقت روح، عقل اور فکر و عمل کی تربیت کا فریضہ سرانجام دیا جا سکتا ہے۔انہوں نے حضرت پیر محمد امین الحسنات شاہ زیدہ مجدہ سجادہ نشین دربار عالیہ امیر السالکین بھیرہ شریف کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا کہ آپ نے بروقت ادراک کیا اور شب کرم کی صورت میں حل پیش کیا۔انہوں نے کہا کہ شب کرم جامعیت سے بھرپور ہے جو تمام مقاصد نبویہ کے تحت تعلیم و تربیت کا فریضہ سرانجام دیتی ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ﷫ کا قول بیان کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے جتنے بھی انبیاء مبعوث فرمائے اور ان میں جنہیں شریعت عطا کی، ان تمام کا مطمع نظر یہی تھا کہ انسانی طبیعت کو شریعت کے تابع کرنا۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے ہاں دین کو طرز فکر، عمل و احساس بنانے کی کمی شدید ترین محسوس کی جا رہی ہے۔بحیثیت مجموعی ہمیں دین سے محبت ہے لیکن دین کو اپنے قالب میں ڈھالنے سے ہم چشم پوشی کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔انہوں نے کہا کہ شب کرم ایک ایسا پلیٹ فارم ہے جو ہمیں یہ فکر عطا کرتا ہے کہ دین کو قالب کے سانچے میں ڈھالا جائے۔

انہوں نے شب کرم کو آج کے مادی دور میں ایک بیش بہا غنیمت قرار دیا اور اس سے کما حقہ فائدہ اٹھانے کی ترغیب دلائی۔انہوں نے اس خواہش کا اظہار بھی کیا کہ اگر ہماری سب خانقاہیں اس فریضے کی طرح توجہ دیں تو معاشرہ سنور سکتا ہے۔انہوں نے شب کرم میں شمولیت کرنے کی ترغیب دلائی تاکہ اپنے ایمانی اثاثے کو محفوظ کیا جا سکے اور آستانہ عالیہ امیر السالکین بھیرہ شریف کی خدمات کو خراج تحسین پیش کیا اور نیک خواہشات کا اظہار کیا۔

شب کرم کے آخر میں دعائے خیر کی گئی اور شب کرم کے مستقل مقرر بزرگ عالم دین حضرت علامہ محمد رمضان قمری صاحب کی صحتیابی کے لیے بھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کی گئی۔

نام کتاب	:	سیرت نبوی ﷺ اور مسائل حیات
تصنیف	:	پروفیسر ڈاکٹر محمد حبیب اللہ چشتی
صفحات	:	۵۱۲
قیمت	:	درج نہیں
ناشر	:	ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور
تبصرہ نگار	:	ڈاکٹر حافظ محمد سعد اللہ

قرآن وحدیث کی تصریحات کے علاوہ انسانی تاریخ اور عمومی اور روزمرّہ امور کا مشاہرہ اس امر پر گواہ ہے کہ اس دنیا میں باری تعالیٰ کی بعض تکوینی مصلحتوں اور حکمتوں کے تحت انسان اور مختلف نوعیت کے ذاتی فکری، خانگی، معاشی، معاشرتی سیاسی مسائل، مصائب، مشکلات اور پریشانیوں کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ الدُّنیا دارُالمِحَن ''دنیا آزمائشوں کا گھر ہے'' کا معروف مقولہ اسی حقیقت کی نشاندہی کرتا ہے اور یقیناً اسی لیے کہا گیا ہے ؎

دریں دنیا کسے بے غم نہ باشد
اگر باشد بنی آدم نہ باشد

تاہم خالق کائنات نے انسان کو زمین پر بھیجتے وقت ان قدرتی مسائل سے بچنے یا نکلنے کا ایک نسخہ کیمیا بتاتے ہوئے واضح فرمایا تھا کہ وہ انسان کی بشری اور عقلی کمزوریوں کو دیکھتے ہوئے اپنے منتخب بندوں (انبیاء علیہم السلام) کی شکل میں اس کی ہدایت اور رہنمائی کا بھی پورا پورا سامان فرمادے گا۔ اس کے بعد

فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَایَ فَلَا یَضِلُّ وَلَا یَشْقٰی (سورۃ طٰہٰ:۱۲۳)

تو جس آدمی نے میری ہدایت (میرے رسولوں) کی پیروی کی تو وہ نہ گمراہ ہوگا اور نہ وہ مشقت میں پڑے گا۔

اس سلسلہ ہدایت کی آخری اور زریں کڑی خاتم النبیین رحمۃ للعالمین محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ علیہ التحیۃ والثناء کی صورت میں رہتی دنیا تک کے لیے انسانیت کو عطا فرمائی گئی اور لوگوں کو بتا دیا گیا کہ اگر تم دنیا میں واقعی اور حقیقی کامیابی و کامرانی چاہتے ہو، (سورۃ الاحزاب:۷۱) دنیا و آخرت کی فلاح چاہتے ہو، (سورۃ الاعراف:۱۵۷) اللہ کا فضل و کرم چاہتے ہو، (سورۃ آل عمران:۱۳۲، سورۃ النور:۵۶) اور دنیا میں ہدایت اور منزل مقصود تک پہنچنا چاہتے ہو، (سورۃ النور:۵۴) تو اس کا واحد ذریعہ اس کے آخری رسول ﷺ کے اسوۂ حسنہ اور سیرت طیبہ کی پیروی ہے۔ بصورتِ دیگر مختلف قسم کے

مسائل، چیلنجز، مصائب، آلام، فتنوں کا سامنا کرنے کے لیے تیار رہیں۔ چنانچہ مخالفت رسول کے اس خطرناک اور یقینی انجام سے آگاہ کرتے ہوئے اللہ کریم نے فرمایا:

فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (سورۃ النور:۶۳)

تو چاہیے کہ ڈریں وہ لوگ جو اس (رسول محتشم ﷺ) کی (جان بوجھ کر) مخالفت کرتے ہیں اس بات سے کہ انہیں پہنچ جائے کوئی آزمائش، مصیبت یا انہیں پہنچ جائے ایک دردناک عذاب۔

اس آیت کی تفسیر میں مشہور مفسر امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کا تفسیری نوٹ لائق مطالعہ ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

یعنی وہ اللہ کے رسول ﷺ کے امر کی مخالفت کرتے ہیں اور وہ آپ ﷺ کا راستہ ہے، آپ ﷺ کا طریقہ ہے، آپ ﷺ کی سنت ہے اور آپ ﷺ کی شریعت ہے۔ لہٰذا تمام اقوال اور اعمال کا موازنہ آپ کے اقوال اور آپ کے اعمال سے کیا جائے گا تو جو قول و عمل اس (آپ کے قول و عمل) کے موافق ہوگا وہ قبول کیا جائے گا اور جو قول و عمل اس (آپ کے قول و عمل) کے خلاف ہوگا وہ اس کے قائل اور اس کے کرنے والے پر لوٹا دیا جائے گا چاہے وہ کوئی بھی ہو۔ جیسا کہ صحیحین وغیرہ میں اللہ کے رسول ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جس آدمی نے کوئی ایسا عمل کیا جس پر ہمارا حکم نہیں تو وہ لائق رد ہے۔ یعنی ڈرنا چاہیے ان لوگوں کو جو باطنی اور ظاہری طور پر شریعت رسول ﷺ کی مخالفت کرتے ہیں۔ اس بات سے ان کے دلوں میں کفر یا نفاق یا بدعت کی شکل میں کوئی آزمائش پہنچ جائے یا انہیں دنیا میں ہی قتل یا حد یا قید وغیرہ کی صورت دردناک عذاب پہنچ جائے۔ جیسا کہ امام احمد نے ہمام بن منبہ سے مروی حضرت ابوہریرہؓ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ میری مثال اور تمہاری مثال اس آدمی کی ہے جس نے آگ جلائی تو آگ نے جب اپنا ارد گرد روشن کر دیا تو کیڑے مکوڑے، پتنگے آگے بڑھ بڑھ کر آگ بھی گرنے لگے۔ وہ انہیں روکتا ہے مگر وہ اس پر غالب آ جاتے ہیں اور آگ میں گر کر ہی رہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: یہی میری اور تمہاری مثال ہے۔ میں تمہارے کمر بند سے پکڑ کر تمہیں جہنم کی آگ میں گرنے سے روک رہا ہوں مگر تم خود پر غالب آئے جا رہے ہو اور اس میں گھسے جا رہے ہو۔

(تفسیر ابن کثیر، توزیع دار الباز مکہ المکرمہ، دار حیاء التراث العربی بیروت ۱۳۸۸ھ، ۱۹۶۹ء، ج۳، ص ۳۰۷)

اسی طرح رسول خدا ﷺ نے بڑے واضح لفظوں میں متنبہ فرمایا کہ...... وجعل الذلة والصنعا علیٰ من خالف امری (صحیح بخاری کتاب الجہاد باب ما قیل فی الرماح) (جس آدمی/قوم نے میرے حکم کی خلاف ورزی کو تو ذلت اور پستی اس کے مقدر میں لکھ دی گئی۔)

Scanned with CamScanner

اس وقت من حیث القوم بلکہ حیث الامت صورت حال کچھ یوں ہے کہ ہم مذکورہ ''نسخہ کیمیا'' یا اسوۂ رسول اور سیرت نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو پڑھ کر اور سن کر انفرادی، اجتماعی اور سرکاری طور پر سر دھن رہے ہیں، نعرے لگا رہے ہیں، وجد میں آ رہے ہیں، جلسے کر رہے ہے، جلوس نکال رہے ہیں، بڑے ذوق وشوق، عقیدت ومحبت اور اہتمام سے سرکاری اور نجی سطح پر سیرت النبی کانفرنسوں اور محافل کا انعقاد کیا جا رہا ہے۔ شیریں بیاں واعظین، خوش الحان نعت خوانان اور پُر جوش مقررین سامعین کا ایمان تازہ کر رہے ہیں، بازاروں اور گلیوں کو دلہن کی طرح سجایا جا رہا ہے مگر ہم حکومتی اور عوامی سطح پر ایسے کج فہم اور ڈل دماغ واقع ہوئے ہیں کہ اپنے گوناں گوں سیاسی معاشی، حربی، معاشرتی مسائل و چیلنجز اور اخلاقی وروحانی وتہذیبی بیماریوں کا اس ''مجرب نسخہ کیمیا'' کے مطابق علاج کرنے کے لیے تیار نہیں۔ ''بچہ بغل میں ڈھنڈورا شہر میں'' کے مصداق کئی دوسری تدابیری نسخے آزمائے جا چکے ہیں اور آئے دن تجربات کر رہے ہیں مگر اس مکافاتِ عمل کے اٹل قانون قدرت کے مطابق ان تمام مساعی اور تگ ودو کا نتیجہ سوائے اس کے نہیں کہ ع

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

جبکہ امت مسلمہ آج ہمہ جہت زوال وادبار، انتشار، کسمپرسی، ضعف، محکومی اور پستی کے جس دہانے پر کھڑی ہے قرآن وسنّت کی رو سے اس سے نکلنے کا راستہ اور شرعی وعقلی اعتبار سے واحد حل یہی ہے کہ ؎

مقام خویش گر خواہی دریں دہر
بحق دل بند و راہ مصطفیٰ رو

زیر نظر کتاب ''سیرت نبوی اور مسائل حیات'' مذکورہ اجمال کی ایمان افروز، فکر انگیز اور مدلل تفصیل ہے۔ محترم پروفیسر ڈاکٹر محمد حبیب اللہ چشتی حفظہ اللہ نے بڑی دردمندی سے پاکستانی معاشرے کو انفرادی اور اجتماعی طور پر درپیش مسائل کی نشاندھی کی ہے اور سیرت طیبہ کی روشنی میں مستند روایات اور اسوہ رسول کی روشنی میں ان مسائل، چیلنجز کا حل بتایا ہے۔ کتاب بنیادی طور پر دو مباحث اور سولہ تفصیلی ابواب پر مشتمل ہے۔ مبحث اوّل میں عام لوگوں کے مسائل ہیں۔ ان مسائل میں ایک مسئلہ جو اپنی اپنی جگہ پر ہر آدمی کو درپیش ہے، وہ یہ ہے کہ ''لوگ کیا کہیں گے'' لوگوں کی باتوں سے ڈر کر یا لوگوں کو خوش کرنے کے لیے ہم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ناراض کرتے ہیں اور ان کی ہدایات وتعلیمات کی خلاف ورزی کرتے ہیں اور پھر اس کے نتیجے میں پریشانیاں اٹھاتے ہیں۔ فاضل مصنف نے ایک مستقل باب اس موضوع پر قائم کیا ہے اور اس معاملے میں سیرت طیبہ سے رہنمائی فراہم کی ہے۔ اس طرح ''باہمی دوستی'' ایک عمومی مسئلہ ہے علیٰ ہذا القیاس ہر آدمی کو ''مالی مسائل'' کا سامنا ہے، میاں بیوی کے مسائل ہیں، اولاد کے اور پھر والدین کے مسائل ہیں، اس کے ساتھ ہمارے متعدد مسائل ہمارے اپنے پیدا کردہ اور خود ساختہ ہیں اور وہ ''خود کردہ را علاج نیست'' کا مظہر ہیں۔ پروفیسر صاحب نے بڑی بالغ نظری سے ہر آدمی کو درپیش ان مسائل کا سیرت طیبہ کی روشنی میں

حل بتانے کی لائق تحسین سعی کی ہے۔

اس کے بعد فاضل مصنف نے بعض مخصوص طبقات اور ان سے متعلقہ مسائل میں سیرت طیبہ اور اسوہ رسول ﷺ سے روشنی حاصل کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ مثلاً مبلغین اور واعظین کے مسائل، تاجروں کے مسائل، اہلِ علم کے مسائل، مدعیان تصوف یا خانقاہی نظام سے متعلق حضرات کے مسائل، سپہ سالاروں کے مسائل، قائدین کے مسائل، ان تمام طبقات کے لیے فاضل مصنف نے بڑی عرق ریزی، محنت اور ورق گردانی سے سیرت طیبہ سے رہنمائی کا وافر سامان مہیا کیا ہے۔ یا ان کے سامنے '' پکی پکائی '' رکھ دی ہے۔ اب اس سے نفع اٹھانا ان کا کام ہے۔

راقم الحروف کی تجویز ہے کہ فاضل مصنف آئندہ ایڈیشن میں چند طبقات کے مسائل کا اضافہ فرمائیں اور ان طبقات کے لیے سیرت نبوی ﷺ سے روشنی مہیا کرتے ہوئے عملی اسوۂ رسول ان کے سامنے رکھیں، ان طبقات میں سرفہرست اور انتہائی ضروری سیاستدانوں کا طبقہ ہے۔ ان سطور کی تحریر کے وقت (اپریل ۲۰۲۲ء) وطن عزیز کے سیاستدانوں نے اقتدار اور کرسی کے لالچ میں جو ادھم مچا رکھا ہے اور سیرت طیبہ تو دور کی بات ہے عام انسانی اخلاقیات کا جنازہ نکالتے ہوئے گالی گلوچ، بدزبانی، بدکلامی، بدعہدی، عدم برداشت، بے صبری، باہمی نفرت اور انتشار کا جو کلچر پروان چڑھایا ہے وہ حد درجہ لائق مذمت ہے۔ الناس علیٰ دین ملوکھم کے مصداق ان خطرناک رزائل کا عوام اور گلی کوچوں تک منتقل ہونا ایک فطری امر ہے۔ تو اِس طبقہ کے لیے سیرت طیبہ اور ریاست مدینہ کے والی ﷺ کا سیاسی طرز عمل سامنے لایا جانا ضروری ہے۔

اسی طرح ''سوشل میڈیا'' کے مسائل میں بھی سیرت و تعلیمات نبوی ﷺ سے رہنمائی مہیا کرنا از حد ضروری ہے۔ اس وقت سوشل میڈیا جس طرح بے لگام ہے اور اس کے ذریعے سیاسی و مذہبی مخالفین کی پگڑیاں اچھالی جا رہی ہیں وہ معاشرے کے لیے انتہائی خطرناک روایت ہے اور ہماری معاشرتی و اخلاقی اقدار کے قطعی خلاف ہے۔ علیٰ ہذا القیاس بڑوں (معاشرتی اعتبار سے، عمر کے لحاظ سے، نیکی اور روحانیت میں) کے ادب و احترام اور چھوٹوں (عہدہ کے اعتبار سے، مالی اعتبار سے، نیکی اور علم کے اعتبار سے چھوٹے لوگوں) کے مسائل میں بھی تعلیمات نبوی ﷺ اور اسوہ رسول ﷺ کو سامنے لایا جا سکے تو فرض کفایہ ادا ہو جائے گا۔

ان طبقات میں برادری کے مسائل کا بھی اضافہ کیا جا سکتا ہے۔ بہن بھائیوں، قریبی برادری اور اعزا و اقارب کے ساتھ صلہ رحمی کے معاملے میں بھی ہماری اکثریت تعلیمات نبوی اور اسوۂ رسول کو پس پشت ڈالے ہوئے ہے۔ اس معاملے میں اسوۂ رسول ﷺ سامنے لایا جانا ضروری ہے۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ کریم فاضل مصنف کی اس علمی سعی کو قبول فرمائے اور عوام الناس کو اس سے استفادہ کی توفیق عطا فرمائے تاکہ ہمارے یہ مسائل حل ہوں اور معاشرہ جنت نظیر بن سکے۔ آمین